
ماہنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
February 2022

وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 42 No. 04 February 2022

Jumada al-Thani/ Rajab 1443 AH

جلد: 42 شمارہ: 04 فروری 2022ء

جمادی الثانی / رجب 1443ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:

SIRAT-E-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)



اس قوم کو خود احتسابی کی اشد ضرورت ہے

محمد حفیظ اللہ خان المدنی

کم وبیش ہر انسانی معاشرے میں ایک طبقہ ایسا ضرور پایا جاتا ہے جن کا محبوب ترین مشغلہ ہمیشہ دوسروں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنا ہوتا ہے۔ اس معیوب عمل کو وہ اپنا دینی اور اخلاقی فریضہ سمجھتے ہوئے دوسروں کی نجی زندگی، ان کی مصروفیات، آمدنی، اخراجات اور دیگر کئی امور سے متعلق معلومات اکٹھا کرنے کی بھرپور کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً ان معلومات کو اپ ڈیٹ کرنا بھی ان کے روزمرہ مشغلہ میں شامل ہوتا ہے، کون کیا کر رہا ہے، کہاں سے آرہا ہے، کہاں جارہا ہے، فلاں چیز خریدی ہے تو کس قیمت پر خریدی ہے، کیوں خریدی ہے۔ الغرض مختلف سوالات ان کے پاس ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

ان کی یہ غیر اسلامی اور غیر اخلاقی بھاگ دوڑ صرف افراد تک محدود نہیں رہتی بلکہ حکومتیں، حکمران اور مختلف تنظیمیں بھی ان کے نشانے پر رہتی ہیں۔ کسی بھی محفل میں بیٹھے ہوں، کسی نہ کسی بہانے سے، کسی شخص یا کسی حکومت کے حوالے سے کوئی ایسا حساس موضوع اس چابکدستی سے سوالیہ انداز میں چھیڑ دیتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ انہیں اس شخصیت سے یا حکومت سے دلی ہمدردی ہے، پھر اس محفل میں نشانے پر لائی گئی شخصیت یا حکمرانوں پر طویل تبصروں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

جس میں غیبت، بہتان تراشی، لعن طعن اور بے جا تنقید جیسی منکرات شامل ہو جاتی ہیں۔ اس نوع کے لوگوں کو ان دنوں سعودی عرب اور تبلیغی جماعت پر پابندی کا ایشو ہاتھ لگا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک دو ایشوز اور بھی ہیں جن کا تعلق براہِ راست سعودی عرب سے ہے۔ بہر حال یہ ان کے لیے سلگتے ہوئے موضوعات ہیں۔ جن کو کسی محفل میں چھیڑ کر سعودی حکومت کے خلاف اپنے حسد، کینہ اور دیرینہ دشمنی کی بھڑاس نکالنا ان کا مقصد ہوتا ہے۔

گذشتہ چند دنوں میں ایک نہیں بلکہ دو مختلف محفلوں میں اس نوع کی شخصیات سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے کسی تمہید کے بغیر یہ سوال چھیڑ دیا کہ سعودی عرب نے تبلیغی جماعت پر پابندی کیوں لگائی اور فلاں فلاں کام کیا شرعاً جائز ہیں؟ وغیرہ۔
یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری زندگی سعودی عرب اور اس کی حکومت کو بدنام کرنے، اس کی تمام ترخوبیوں پر پردہ ڈالنے میں گذر گئی۔ سعودی عرب کی دینی اور دعوتی خدمات کا وسعت ظرفی کے ساتھ اعتراف ان کی سرشت میں شامل ہی نہیں۔ ہاں محض معمولی بشری لغزشوں پر ان کی نگاہیں ٹکی رہتی ہیں۔

گذشتہ چند دنوں میں ایک نہیں بلکہ دو مختلف محفلوں میں اس نوع کی شخصیات سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے کسی تمہید کے بغیر یہ سوال چھیڑ دیا کہ سعودی عرب نے تبلیغی جماعت پر پابندی کیوں لگائی اور فلاں فلاں کام کیا شرعاً جائز ہیں؟ وغیرہ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری زندگی سعودی عرب اور اس کی حکومت کو بدنام کرنے، اس کی تمام ترخوبیوں پر پردہ ڈالنے میں گذر گئی۔ سعودی عرب کی دینی اور دعوتی خدمات کا وسعت ظرفی کے ساتھ اعتراف ان کی سرشت میں شامل ہی نہیں۔ ہاں محض معمولی بشری لغزشوں پر ان کی نگاہیں ٹکی رہتی ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تبلیغی جماعت سے مکمل طور پر واقف ہیں، نہ ہی سعودی حکومت کی مسلمانوں اور عالم اسلام کے حوالے سے کی جانے والی ان خدمات کا ان کو علم ہے جن کی بدولت مشرقی ممالک کے علاوہ امریکہ اور مغربی ممالک میں دین اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ سعودی عرب کے تعاون سے بنائی گئی عالی شان مساجد نہ صرف نمازیوں سے آباد ہیں، بلکہ ان مساجد سے اسلامی، دینی دعوتی سرگرمیوں کے ذریعہ مغرب میں پلنے بڑھنے والی نوجوان مسلمان نسل کی دینی رہنمائی کی جارہی ہے۔ عوام الناس میں قرآن وسنت کی جانب پر رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ شرک وبدعات جیسے اعمال اب دم توڑ رہے ہیں، ان تمام دینی سرگرمیوں میں کم وبیش سعودی حکومت اور اس کے اصحاب الخیر کا ایک بڑا حصہ شامل ہے۔ اس وقت دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہو، جہاں سعودی عرب کی مساعی جمیلہ سے مسلمانوں میں دینی بیداری اور غیر مسلموں میں اسلام کی جانب رجحان میں اضافہ نہ ہوا ہو۔

ان تمام خدمات کے باجود اگر کچھ لوگ سعودی عرب کو اپنی تنقید کا نشانہ بنارہے ہیں تو اس کی وجہ نہ تبلیغی جماعت پر پابندی ہے نہ ہی وہاں مختلف پروگرامز کا انعقاد، ان کو شکایت صرف سعودی عرب کی حکومت اس کے عالی مقام مشائخ اور عامۃ الناس کے عقیدہ سے ہے جو کہ خالص توحید پر مبنی ہے جس میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔

نیز سعودی حکومت اگر کسی تنظیم ادارے یا جماعت

پر پابندی لگاتی ہے تو اس معاملہ میں دخل در معقولات کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ کیونکہ یہ سعودی عرب کا اپنا اندرونی معاملہ ہے۔ ایک آزاد ملک کی حیثیت سے اس کو پورا اختیار حاصل ہے کہ اپنے ملک کے تحفظ اس کی بقا کی خاطر جو قانون ضروری سمجھتی ہے، اس کو لاگو کرنے میں وہ مکمل آزاد ہے۔

دراصل دوسروں کے معاملات میں مداخلت کرنے والوں کو کبھی اپنا محاسبہ کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اپنے سوا سبھی کو گناہ گار سمجھتے ہیں، اس قسم کے لوگوں کی اکثریت کے پاس بیروزگاری کی وجہ سے وقت کی کمی نہیں ہوتی۔

لہٰذا ان کی زندگی کا مقصد دوسروں کی نجی زندگی ان کے نجی معاملات کی چھان بین کرنا، پھر ان کو بے تکے تبصروں کی بھینٹ چڑھا کر اپنے حلقہ احباب میں مقبولیت حاصل کرنا ہوتا ہے۔

ہماری ان سے درخواست ہے کہ اگر آپ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم

«تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ فإنَّها صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلَى نَفْسِكَ» (صحيح مسلم)

"اگر کوئی نیکی نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ۔ یہی نیکی تمہارے اپنے حق میں صدقہ بن جائے گی۔"

سعودی عرب ہو یا کوئی ملک اور حکومت، ہر کسی میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کمزوریاں بھی۔ اگر کسی کو بشری تقاضوں کے تحت سعودی عرب کی کوئی کمزوری نظر آتی ہے تو اس کی خوبیوں کے ساتھ اس کی کمزوری کا موازنہ کیجیے، پھر اپنی شخصیت کے حوالے سے بھی اپنی خوبیوں اور کمزوریوں کا بے لاگ جائزہ لیجیے۔

حقائق سامنے نکھر کر آ جائیں گے، نیز ہمیشہ اس حدیث نبوی کو پیش نظر رکھیے، جس میں رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ (جامع ترمذی)

وہ باتیں یا ایسے کام جن کا ہماری زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو یا جن سے کسی دینی یا دنیوی فائدہ کی امید نہ ہو، ان کی ٹوہ میں نہ لگنا اور ان سے اجتناب کرنا ایک مسلمان کے اسلام کا حسن ہے۔

اپنے اسلام کو بگاڑنے کے بجائے اس کو حسین سے حسین تر بنائیے۔ کیونکہ ہر وہ فرد جو دوسروں کے معاملات کی چھان بین کرنے، ان سے متعلق معلومات جمع کرنے کی تگ ودو کرتا رہتا ہے، لامحالہ وہ تجسس عیب چینی، بدگمانی، غیر مصدقہ خبروں اور معلومات کی اشاعت جیسی مذموم صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ جو اس کے دین کا حلیہ بگاڑ دیتی ہیں۔

وما علينا إلا البلغ

☆☆☆

شیخ الحدیث علامہ عبد الحمید رحمتی رحمہ اللہ

پشاور کے معروف عالم دین استاذ العلماء شیخ الحدیث علامہ عبد الحمید رحمتی کو نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کرکے شہید کر دیا۔ علامہ رحمتی بہت بڑے عالم دین تھے، امن کے داعی اور بے ضرر شخصیت تھی۔ ان کی شہادت سے پوری جماعت رنجیدہ اور دکھی ہے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ اس کھلم کھلا دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کو ایک عظیم جرم اور حکومت کی غفلت کا نتیجہ سمجھتی ہے اور خیبر پختون خواہ کے نائب امیر و شیخ الحدیث علامہ عبد الحمید رحمتی کی شہادت پر اور ان کے بھائی کے شدید زخمی ہونے پر سخت رنجیدہ ہے یاد رہے کہ نامعلوم حملہ آوروں نے انہیں اس وقت نشانہ بنایا گیا جب وہ اپنے مدرسہ دارالقرآن والحدیث السلفیہ قاضی آباد پشاور مرکزی دروازے پر کھڑے تھے۔ جبکہ انکے بھائی شیخ محمد رحمتی شدید زخمی ہیں۔

مرکزی جمعیت برطانیہ کے امیر مولانا محمد ابراہیم میرپوری نے علامہ عبد الحمید رحمتی کے قتل کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ علامہ رحمتی لاکھوں میں ایک تھے۔ ان کی شہادت سے اہل علم برادری رنجیدہ اور دکھی ہے۔ علماء کی شہادتوں کا سلسلہ نیا نہیں ہے۔ ہمارے علماء کو پہلے بھی نشانہ بنایا گیا، علماء کو ٹارگٹ کرکے مارا جارہا ہے۔ کے پی کے حکومت عوام کے جان ومال کی حفاظت میں ناکام ہو چکی ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ علامہ رحمتی کے قاتلوں کو فی الفور گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دی جائے، ناظم اعلیٰ مولانا حافظ حبیب الرحمن نے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے پی کے اور علامہ رحمتی کے خاندان سے دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے دعا کی کہ اللہ تعالی مولانا رحمتی شہید کے درجات بلند فرمائے اور ان کے لواحقین کو اللہ تعالی یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔

☆☆☆

قاری عبد السلام عابد کے بھائی عبد المجید وفات پا گئے

برمنگھم کے معروف قاری عبد السلام عابد کے بڑے بھائی عبد المجید 80 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ مرحوم نے چار بیٹیاں اور دو بیٹے پسماندگان میں چھوڑے ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم میرپوری، حافظ حبیب الرحمٰن جہلمی اور دیگر علماء کرام و احباب نے قاری عبد السلام عابد سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کہ اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل بخشے۔ آمین

☆☆☆



مصائب کے موقعوں پر ثابت قدمی

خطیب: ڈاکٹر صالح بن محمد آل طالب
ترجمہ: ڈاکٹر عبدالمنان محمد شفیق (مدرس ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ)

بے شک ہر قسم کی حمد اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہم اسی کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اسی سے مغفرت چاہتے ہیں۔ ہم اللہ کی بارگاہ میں اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنی بد اعمالیوں سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے اور جس کو گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ماسوا اللہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ کی رحمت، سلامتی اور برکت نازل ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے اہل وعیال پر، آپ ﷺ کے صحابیوں پر تابعین پر اور تا قیامت حق کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں پر۔

أمابعد:

بلاشبہ سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے۔ اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور بد ترین امر دین میں نئی ایجاد کردہ چیزیں ہیں۔ ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اے لوگو! میں خود کو اور آپ کو اس چیز کی نصیحت کرتا ہوں جس کی نصیحت اللہ نے گذشتہ قوموں کو کی اور موجودہ امت کو بھی۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ﴾

”تم سے پہلے جن کو ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی نصیحت کی تھی اور اب تم کو بھی یہی نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔“ (سورۃ النساء: 131)

لہٰذا جس نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا وہ نجات پا گیا، اور جو خبردار رہا وہ محفوظ ہو گیا، جو غافل رہا وہ نادم ہوا۔ عنقریب لوگوں کو زندہ کیا جائیگا۔ میزان نصب کئے جائیں گے۔ اس لئے اپنا سامان تیار کر لو۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (سورۃ البقرہ: 281)

”اس دن سے ڈرو جس دن تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

مسلمانو! جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ اس باعظمت دین کا سورج اس ملک سے طلوع اور روشن ہو، اور اس نے لکھ دیا کہ یہ رات و دن کی حد کو پہنچے۔ یقیناً اسی وقت سے پاک ذات نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی اور اس نے فیصلہ کر دیا کہ اس اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا اسے کسی کی مخالفت اور کنارہ کشی سے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ اور اس جماعت والے وہ ہیں جو انہیں چیزوں پر عمل پیرا ہیں، جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس عظیم دین کے پیروکاروں پر آزمائش وابتلاء کی سنت جاری کی جو رسول کریم ﷺ اور آپ کے محترم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شروع ہو کر تا قیامت ان کے متبعین پر جاری رہے گی۔ تا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو جدا کر دے اور سچوں کو جان لے۔ اور جب جب زمانہ نبوت کے بعد کچھ دہائیاں گذری ہیں تو امت کے باہر یا اندر سے دین اور منافقت ظاہر ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کچھ ایسے علماء اور حاکموں کا انتظام کرتا رہا ہے، جو اس کی دین کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں، لوگوں کو حق دکھاتے ہیں۔ ان کو صاف خالص گھاٹ کی طرف لوٹاتے ہیں، اور ان کو قرآن و سنت کی پابندی کرواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ﴾

”جو لوگ کتاب کی پابندی کرتے ہیں اور جنہوں نے نماز قائم کی، یقیناً ایسے نیک کردار لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔“ (سورۃ الاعراف: 170)

موجودہ اور گذشتہ صدی میں امت کو اس کے دین اور قوت کو بہت نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے جزیرہ عرب، نزول وحی کی جگہ اور رسول ﷺ کے ہجرت گاہ کی حفاظت فرمائی، جہاں عالمی جھگڑوں اور دنیاوی جنگوں کے مابین ایک باوقار حکومت وجود میں آئی جس کو اللہ نے جنگوں کے فتنوں، فکری اور گروہی کشمکش سے نجات دی۔ اور جس نے خود کے لئے دین و دنیا میں ایک درمیانہ منہج اختیار کیا۔ لہٰذا اس نے اپنا دستور قرآن اور حدیث کو قرار دیا، بدعات اور خرافات سے کنارہ کشی اختیار کی، لوگوں کے لئے خالص دین کو ظاہر کیا۔ اور نہ ہی اس کو اپنے دین پر مضبوطی سے جمے رہنے نے اپنی دنیا کی سیاست، اقتصاد علوم، صنعت و حرفت، فکر اور گفت وشنید میں حصہ لینے سے روکا۔ تو اللہ نے اس کو اقتدار عطا کی۔ زمین کے خزانوں کو اس کے لئے کھول دیا اور اسے مالدار کر دیا۔ لہٰذا وہ بھی مظلوم کے

لیے تقویت، کمزور کے لئے مدد، عمل، تجارت اور طلب رزق کا مرکز بنی۔

اس کی بھلائیاں ہر محتاج ملک و فرد کو پہنچیں۔ اور اس کا انکار صرف وہی کرے گا جو حاسد ہے۔ اور اس ملک کو یہ مقام صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوا کیونکہ اس نے خالص توحید اپنائی۔ عظمت والی شریعت کی تنفیذ کی۔ اللہ کے دین میں عدل و حق کے ساتھ اعتدال کا راستہ اپنایا۔ صحیح اسلام کے اقدار واصولوں کی پابندی کی یہاں تک کہ اسے تمام مسلمانوں کا احترام حاصل ہوا اور انہوں نے اس کی قیادت کو سراہا۔ ساتھ ہی پوری دنیا کے اکثر مسلمانوں میں بہت خیر موجود ہے۔ وہ اس کی تائید و حمایت کرتے ہیں۔ اور جب بھی حادثات رونما ہوتے ہیں تو مملکت حق وعدل پر قائم اصول و اقدار ہیں جن میں اس کی تائید و حمایت اس کے سگے برادران اور مخلص خلفا کرتے ہیں۔

مسلمانو! ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی سنت حق و باطل کے مابین کشمکش، انسانوں کے درمیان اختلاف اور لڑائی جھگڑا اور شر خیر میں مبتلا کرتا رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو ان کے حوالہ نہیں کر دیا ہے بلکہ ان کو تعلیم عطا کی ہے۔ ان کی رہنمائی کی ہے۔ اور ان کے سامنے کتاب رکھ دی ہے جس کے طریقہ سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور جس کے نور سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ضروری ہے کہ یہی ان کا ملجاوماوی ہو۔ اور اللہ کے رسول کی سنت ان کا قدوہ و نمونہ ہو۔ خواہ ان کی بلائیں کہیں بھی ہوں اور ان کی پریشانیاں و تکلیفیں کیسی بھی ہوں۔

پوری دنیا کے مسلمانو! تمہارے لئے اللہ کی کتاب سے یہ ایک مشعل اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابیوں کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعہ میں ایک درس ہے، جس میں اہل ایمان کے لئے ثابت قدمی، زخمیوں کے لئے تعزیت اور ثابت قدم رہنے والوں کے لئے تقویت ہے۔ بنابریں سورہ آل عمران میں قرآنی آیات نے ہمارے نبی ﷺ اور آپ کے صحابیوں کی ان کی مشرک قوم کے ساتھ جد و جہد، مسلمانوں کا بدر میں غلبہ حاصل کرنا، احد میں ان کا شکست کھا جانا، آزمائشیں اور مشقتیں، مسلمانوں اور شہداء کے حالات، منافقوں اور دشمنوں کے رویے کو پیش کیا ہے۔ یہ آیات ایک لمبی سرگذشت عبرتوں ونصیحتوں کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ واقعات کا سبب بیان کرتی ہیں۔ قوانین ربانیہ کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ اسباب و انجام میں غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اصول و مواقف میں یقین اور ثابت قدمی پر ابھارتی ہیں۔ اصول کے باب میں یہ آیت ہے:

﴿فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾ (سورۃ آل عمران:20)

"اب اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو ان سے کہو میں نے اور میرے پیروؤں نے تو اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔"

مواقف کے متعلق یہ آیت ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ آل عمران:139)

"دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مومن ہو۔"

جبکہ یہ آیت زخمی مؤمنوں کی تعزیت میں ہے:

﴿إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ 0 وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ﴾ (سورۃ آل عمران:140-141)

"اس وقت اگر تمہیں زخم لگا ہے تو اس سے پہلے ایسا ہی زخم تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکا ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ (شکست اُحد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ (یہی وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔ کیونکہ باطل کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا ہے۔"

ایسی پریشانیاں اور آزمائشیں ضروری ہیں جو دشمن کو دوست سے اجاگر کر دیں، خود غرضوں و مفادات پرستوں کو الگ کر دیں۔ اہل اخلاص و صدق کو باقی رکھیں جو اپنے نبی کی مصیبت و تکلیف میں مدد کرتے ہیں۔ اور اپنے رب کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں خواہ کتنے بھی برے حالات ہوں۔

مسلمانو! احد میں شکست کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ بھی واقع ہوا، اس کا تذکرہ اللہ نے اس سورہ میں کیا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے اولیاء کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ (سورۃ آل عمران:172)

"جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہا۔"

اور اس واقعہ کا نام غزوہ حمراء الاسد ہے، جس میں سیاست، غلبہ اور فدائیت کا درس ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو اُحد میں زخم لگا۔ ان کو شکست ہوئی۔ 70 صحابہ کرام شہید ہوئے۔ مشرکین واپس ہوئے اور روحاء میں جا کے قیام کیا۔ جس سے نبی کریم ﷺ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مشرکین مسلمانوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر مدینہ اور اس میں موجود مال و اولاد پر دوبارہ حملہ نہ کریں۔

راوی کا بیان ہے: جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ احد کے بعد صبح کی نماز اَدا کی اور آپ کے ساتھ اوس وخزرج کے سردار تھے، جنھوں نے مسجد ہی میں رات گذاری تھی۔ لہٰذا جب اللہ کے رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے واپس ہوئے تو آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ

"اپنے دشمن کا پیچھا کرو اور ہمارے ساتھ صرف وہی جائے گا جس نے کل لڑائی میں حصہ لیا ہے۔"

راوی کا کہنا ہے کہ یہ سن کر سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے لئے نکل پڑے تا کہ اپنی قوم کو روانگی کا حکم دیں۔

راوی کا کہنا ہے کہ عام طور سے لوگ زخمی تھے۔ بنو عبد الاشہل کے عام لوگ بلکہ سبھی زخمی تھے۔ چنانچہ سعد بن معاذ آئے اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اپنے دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دیا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر سیدنا اُسید بن حضیر نے فرمایا جبکہ ان کے بدن پر سات زخم تھے اور وہ ان کا علاج کرنا چاہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ہتھیار اٹھایا اور اپنے زخم کی مرہم پٹی کا ارادہ نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ سے جاملے۔

اسی طرح سیدنا سعد بن عبادہ اپنی قوم بنو ساعدہ کے پاس تشریف لائے اور ان کو کوچ کرنے کا حکم دیا، لہٰذا وہ لوگ بھی ہتھیار پہن کر نبی کریم ﷺ سے جاملے۔ اور سیدنا ابو قتادہ اہل خربی کے پاس گئے، درانحالیکہ وہ اپنے زخموں کا علاج کر رہے تھے اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا منادی تمہیں اپنے دشمنوں کا پیچھا کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ اپنے ہتھیاروں پر جھپٹ پڑے اور اپنے زخموں کی کوئی مرہم پٹی نہیں کی۔ چنانچہ بن سلمہ سے چالیس زخمی روانہ ہوئے جن میں طفیل بن نعمان کو 13 زخم تھے۔ خراش بن صمہ کو 10 زخم تھے۔ کعب بن مالک کو 13 سے 19 کے درمیان زخم تھے۔ قطبہ بن عامر کو 9 زخم تھے۔ یہاں تک کہ وہ سب لوگ راس الثنیہ کے قریب واقع ابو عنبہ کنواں کے پاس نبی کریم ﷺ سے جا ملے۔ وہ سب اسلحہ سے لیس تھے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے صف بہ صف کھڑے ہوئے۔ چنانچہ جب نبی ﷺ نے ان کو دیکھا اور زخم ان کے اندر پھیلے ہوئے تھے تو فرمایا:

"اے اللہ تو بنو سلمہ پر رحم فرما۔"

واقدی کہتے ہیں کہ مجھ سے عتبہ بن جبیر نے اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ ورافع بن سہل بن عبد الاشہل اُحد سے واپس ہوئے۔ وہ دونوں بہت زیادہ زخمی تھے۔ ان میں عبد اللہ زخم سے زیادہ بوجھل تھے۔ لہٰذا جب لوگوں نے صبح کی اور سیدنا سعد بن معاذ نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے دشمنوں کے پیچھا کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا، اللہ کی قسم! اگر ہم نے کوئی غزوہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چھوڑ دیا تو یہ دھوکہ ہے۔ اللہ کی قسم! ہمارے پاس سواری کا کوئی جانور نہیں ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کیا کریں۔ یہ سن کر عبد اللہ نے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو، رافع نے جواب دیا کہ نہیں، اللہ کی قسم! میں نہیں چل سکتا ہوں۔ ان کے بھائی نے کہا: ساتھ ساتھ میانہ روی سے چلتے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں پاؤں گھسیٹتے ہوئے نکلے۔

لیکن رافع کمزور پڑ گئے۔ لہٰذا عبد اللہ ان کو اپنی پشت پر اٹھا کے ایک مشکل چڑھائی پر چلتے اور دوسری مشکل چڑھائی پر پیدل چلتے تھے۔ یہاں تک کہ عشاء کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ اس راستے سیدنا عباد بن بشر آپ کی نگرانی پر تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کس چیز نے تم دونوں کو روکے رکھا؟ تو انہوں نے آپ کو اپنی بیماری کے بارے میں بتلایا۔ چنانچہ آپ نے ان کے لیے خیر کی دعا کی۔ اور فرمایا کہ اگر تم کو ایک طویل مدت ملی تو تم کو گھوڑے، خچر اور اونٹ کی سواری حاصل ہو گی۔

اللہ کے رسول ﷺ نکلے جبکہ آپ کا چہرہ دوزرہ کے اثر سے زخمی تھا۔ آپ کی پیشانی کا اوپری حصہ مجروح تھا، آپ کے رباعی دانت ٹوٹ گئے تھے۔ آپ کا ہونٹ اندر سے زخمی تھا۔ آپ کا دایاں کندھا ابن قمیئہ کے وار سے کمزور تھا اور آپ کے دونوں گھٹنوں میں خراش تھا۔ اس حالت میں رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ اسی درمیان لوگ اکٹھا ہو چکے تھے۔ عوالی کے لوگ بھی آ چکے تھے۔ کیونکہ ان کو بھی مدد کی پکار پہنچ چکی تھی پھر آپ نے دو رکعت پڑھی۔

بعد ازاں آپ نے اپنے گھوڑے کو مسجد کے دروازہ پر لانے کو کہا، اور آپ کے گھوڑے کو سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے پکڑا کیونکہ انھوں نے منادی کو اعلان کرتے ہوئے سنا تھا۔ لہٰذ وہ نکل کر دیکھنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کب روانہ ہوتے ہیں؟ اس بیچ اچانک رسول اللہ ﷺ نکلے۔ آپ کے اوپر زرہ اور خود تھا۔ صرف آپ کی دونوں آنکھیں نظر آتی تھیں۔ آپ نے پوچھا: اے طلحہ! تمہارا اسلحہ کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا، قریب ہی ہے۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں وہاں سے دوڑتے ہوئے نکلا، اپنی زرہ پہنی اور اپنی ڈھال اپنے سینہ پر ڈالا درانحالیکہ میرے جسم پر 9 زخم تھے۔ اور میں اپنے زخم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے زخم کے بارے میں فکر مند تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سیدنا طلحہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ اس وقت قوم کہاں پر

ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ سیالہ میں ہیں۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میرا یہی خیال تھا لیکن اب اس لیے وہ لوگ کل کی طرح ہم سب کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا پائیں گے، یہاں تک کہ اللہ ہمارے لیے مکہ فتح کردے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابیوں کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ حمراء الاسد میں پڑاؤ ڈالا، سیدنا جابر بیان کرتے ہیں کہ ہمارا عام توشہ کھجور تھا۔

سیدنا سعد بن عبادہ ذبح کرنے کے قابل 30 اونٹ لیکر حمراء پہنچے۔ لہٰذا کسی دن 2 اور کسی دن 3 ذبح کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان کو دن میں لکڑیاں جمع کرنے اور شام کو آگ جلانے کا حکم دیتے۔ لہٰذا ہر آدمی آگ جلاتا تھا۔ ہم لوگ ان راتوں میں 500 آلاؤ جلاتے تھے جو دور ہی سے دکھائی دیتا تھا۔ جس سے ہمارے خیمہ والوں کا ذکر چاروں طرف پھیل گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمن کو ذلیل و خوار کیا۔

جس کے بارے میں اللہ کا قول ہے:

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ 0 فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ﴾ (سورۃ آل عمران:173-174)

"جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، تم ان سے ڈرو، تو یہ سُن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا، اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے، ان کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچا، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی پیروی کی۔ اللہ بہت بڑا فضل والا ہے۔"

یہ حمراء الاسد کا قصہ اور یہ ان کی خبر ہے۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب نے مشقت کے باوجود صبر کا مظاہرہ کیا، اپنے ساتھ اپنی تکلیفوں اور زخموں کو لے کر روانہ ہوئے اور اپنی پسلیوں کے درمیان اپنے کرب کو چھپائے ہوئے تھے تاکہ دشمن کے لیے واضح کردیں کہ اب بھی ان میں طاقت اور قوت ہے۔ گھر کے حامی و محافظ موجود ہیں اور زخموں کے باوجود ان کو شکست نہیں ہوئی۔ اور جب چراگاہ سے شیر غائب ہوں تو اس کو لومڑیاں روندتی ہیں۔

اس طرح اللہ نے مؤمنوں کی مدد فرمائی اور ظالموں کے مکر کو ناکام کردیا۔ میں اللہ کی جناب میں مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں:

﴿ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ 0 إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ 0 وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ 0 أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورۃ آل عمران: 139-142)

"دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں زخم لگا ہے تو اس سے پہلے ایسا ہی زخم تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکا ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ (شکست احد) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کردے اور کافروں کو مٹادے۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یوں جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں۔"

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن و سنت میں برکت عطا فرمائے۔ اور ان دونوں میں موجود آیتوں اور حکمت سے نفع پہنچائے۔ میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور میں اپنے لیے اور آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

دوسرا خطبہ:

ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو بلند و بالا اور قدرت والا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾

"گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں ہے اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔" (سورۃ غافر:3)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بادشاہت اس کی ہے۔ اسی کے لیے حمد ہے۔ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے ہاتھ میں خیر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، خوشخبری دینے والے، ڈرانے والے اور روشن چراغ ہیں۔ اللہ کی رحمت، سلامتی اور برکت ہو آپ پر، آپ ﷺ کے اہل وعیال پر، آپ ﷺ کی بیویوں پر آپ ﷺ کے صحابیوں پر تابعین پر اور تاقیامت ان کی اتباع کرنے

والوں پر۔

امابعد: بلاشبہ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ مشرق ومغرب مسلمانوں کے اوپر ٹوٹ پڑا ہے۔ اسی وقت ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ پوشیدہ دشمن اٹھ کھڑا ہوا ہے جس نے اپنی لمبی تاریخ میں امت کے دشمنوں کی تائید و حمایت اور اندر سے اس کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے اس کے پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا کوئی موقع نہیں ضائع کیا ہے۔ اس بارے میں اس نے تاریخ کے ان حوادث اور مظالم کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس کے اسباب کا اس سے کوئی رشتہ ہے۔

وہ ہم پر دہشت گردی کا الزام عائد کرتے ہیں جبکہ ہم خود اس کی آگ میں جل رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ واضح تضاد اور ظلم ہے جو امت کو ایک اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کے لئے مہمیز فراہم کرتا ہے۔ اور جو کچھ ہم سیاستوں میں تبدیلی اور اتحادوں میں تغیر دیکھ رہے ہیں اس سے ہرگز ہمیں نقصان نہیں ہوگا، جب تک ہم اس ذات کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں جو صرف اسی صورت میں تبدیلی کرتا ہے جب ہم تبدیل ہو جائیں۔ اور جو ہم سے دست بردار نہیں ہوتا ہے، اگر ہم اس سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ لہٰذا وہی دنیا و آخرت میں ہمارا محافظ ہے۔

اور اس کا قاصد کسی بھی حال میں بے یار و مددگار نہیں ہوگا۔ بلاشبہ ہر وقت اور خاص طور سے ان حالات میں اللہ تعالیٰ سے قربت ضروری اور واجب ہے۔ ضروری ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف چلا کے لایا جائے اور ان کے تعلقات اس سے مربوط ہوں۔ البتہ لوگوں کی اللہ سے روگردانی دشمنوں کے لیے بہترین تحفہ ہے۔

اور یقیناً ہمارا ملک اور اس کے خواص و عوام کو اللہ کے فضل و کرم سے واقعات اور سازشوں کا شعور ہے۔

اور ہم ان حوادث کے موقع پر اس ملک میں جو عرب اور مسلمانوں کا حقیقی گہوارہ ہے، اخوت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ہماری قیادت بھی جو بردباری اور دور اندیشی کے ساتھ وہ اسی اصول پر ثابت قدم رہتی ہے جس پر وہ قائم ہوئی ہے۔

امت اپنے مستقبل کی طرف امید کے ساتھ دیکھ رہی ہے۔ اور سرگرم ہے تاکہ آگے بڑھے اور سبقت لے جائے۔ امت ہرگز خودسپردگی نہیں کرے گی اگرچہ رکاوٹیں اس کا محاصرہ کرلیں، کیونکہ یہی رحمت و غلبہ والی امت ہے۔

اللہ کی قسم! اللہ ہمیں ہرگز رسوا و ذلیل نہیں کرے گا اور نہ ہم سے دست بردار ہو گا۔ اگر ہم اپنے ان اغراض و مقاصد کو پورا کرتے ہیں جن کا حکم قرآن نے دیا ہے:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ نماز قائم کریں، زکوۃ دیں۔ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“(سورۃ الحج:41)

بلاشبہ خیر و بھلائی کا کام کرنا اس کی طرف دعوت دینا اس امت کی ظاہری علامتیں، باطنی صلاحیتیں، ابدی عمل اور اس کی پوری دنیا میں شہرت کا سبب ہے۔

اللہ کے رسالت کی حامل اور دعوت حق کو اپنانے والی امت سے اس کے علاوہ اور کیا انتظار کیا جارہا ہے کہ عزت و شرف کی نگراں ہو، حقارتوں سے بلند و برتر ہو، باہمی رحمت کی نصیحت کرنے والی ہو۔ اس کی طرف اس حیثیت سے دیکھا جارہا ہو کہ وہ کمزور کے لئے تقویت مظلوم کے لئے پناہ گاہ ہے، اور ہمارا ملک اللہ کے فضل و کرم سے اس کا حقدار ہے اور اس میں یہ خوبی ہے۔

توحید سب سے زیادہ اللہ محبوب ہے جبکہ شرک سب سے زیادہ نامحبوب ہے۔ ایمان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جبکہ کفر سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ اور عدل سب سے زیادہ مرغوب ہے کہ علم سب سے زیادہ غیر مرغوب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ (سورۃ الانبیاء:105)

”اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد دیکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔“

یہ ملک اللہ کے فضل و کرم سے پہلے اپنے رب کی وجہ سے پھر اپنے ثابت اصولوں اور مضبوط ایمان کی وجہ سے طاقتور ہے۔ اپنے افراد، طاقتوں اور امکانات کی وجہ سے طاقتور ہے۔ اور ہرگز کسی ایسی چیز کی اجازت نہیں دے گا جو اس کے امن کو تہ و بالا کر دے،، اس کی امت کو تفرق و منتشر کر دے، اور یہی ملک اسلام کا گہوارہ، مسلمانوں کا قبلہ اور حرمین شریفین کا نگراں اور محافظ ہے۔ اور اس کی سرحدیں اربوں مسلمانوں کے دلوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جبکہ اس کی ہیبت اور احترام سمندروں اور خشکیوں کو تجاوز کئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمام مسلمان ممالک کی حفاظت فرمائے، اے اللہ ہم اپنی طاقت و قوت سے تیری طاقت و قوت کی طرف لوٹتے ہیں، ہم نے اللہ پر توکل کیا۔ اے ہمارے رب تو ہمیں ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں نجات دے۔

☆☆☆



جسم کی طرح دل بھی بیمار ہو جاتے ہیں، لوہے کی طرح زنگ آلود ہوتے ہیں اور بے رونقی اور بھوک محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ ان کی شفا توبہ میں، تاب ناکی وسفیدی ذکر، ان کی زینت تقویٰ اور ان کا کھانا پینا معرفت الٰہی، توکل اور انابت الی اللہ ہے۔

امراض قلب بہت زیادہ ہیں جو دلی پر اثر انداز ہونے والے عوامل کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ مؤثرات کی شدت سے اس کے امراض بھی شدت اختیار کر لیتے ہیں حتی کہ دل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور وہ بے نور ومقفل ہو کر جادۂ حق اور راہِ راست سے ہٹ جاتا ہے۔ یہ دل کی بدترین کیفیت ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس کیفیت میں ایسے دل والا شخص حالت ایمان سے حالت کفر میں منتقل ہو کر جانوروں کا سا بن جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ

دل کو لاحق ہونے والی بیاریوں میں سخت ترین بیماری قساوت قلبی (سخت دلی) ہے جس سے مزید بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ جن سے صرف وہ محفوظ ومامون رہ سکتا ہے جسے اللہ محفوظ رکھے اور وہ خود بھی بچاؤ کے اسباب اختیار کرے۔

قساوت قلبی کی سنگینی ذیل کی آیات سے ظاہر ہوتی ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (سورۃ البقرۃ:74)

”پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔“

﴿وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (سورۃ الأنعام:43)

”اور لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر دیا۔“

﴿فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ﴾

”پس ہلاکت ہے ان پر جن کے دل (یادِ الٰہی سے اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔“ (سورۃ الزمر:22)

﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾

”پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔“ (سورۃ الحدید:16)

سخت دل اللہ کی رحمت سے سب سے زیادہ دور ہوتا ہے۔

قارئین کرام! آیئے، اس خطرناک مرض کے مظاہر، اسباب اور علاج کا طریقہ جاننے کی کوشش کریں۔

قساوت قلبی کے مظاہر:

قساوت قلبی کے بہت سے مظاہر وعلامات ہیں جن کی مدد سے دل کی سختی معلوم کی جاسکتی ہے جو اپنے خطرات، اثرات اور سنگینی کے لحاظ سے مختلف ہیں، چند ایک درج ذیل ہیں:

1۔ اطاعت، اعمال خیر اور عبادات میں سستی وکاہلی کا مظاہرہ کرنا:

نیکی وبھلائی کے کاموں میں کوتاہی کرنا قساوت قلبی کی علامت ہے۔ کبھی یہ تساہل تمام اعمال خیر میں ہوتا ہے جب کہ بعض اوقات چند جزوی اعمال میں۔ مثلاً نماز کو بغیر خشوع وخضوع کے اس طرح ادا کرنا گویا وہ قید خانے میں ہے اور جلد از جلد رہائی کا خواہش مند ہے۔ سنن ونوافل کی ادائیگی میں سستی کرنا اور فرائض کو بوجھ محسوس کرتے ہوئے تیزی سے ادا کرنا گویا زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ کب وہ گھڑی آئے کہ میں اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں۔ انہی اوصاف کے حامل منافقین کی علامت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے:

﴿وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ﴾ (سورۃ التوبہ:54)

”اور بڑی کاہلی سے نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں۔“

﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ﴾

”اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں۔“ (سورۃ النساء:142)

2۔ قرآن کی آیات ومواعظ سے اثر قبول نہ کرنا

قساوت قلبی کا دوسرا مظہر قرآن کریم کے وعدہ و وعید کی آیات کو سن کر ان سے متاثر نہ ہونا ہے، یعنی نہ ان کو دل میں جگہ دیتا ہے اور نہ ہی عجز وانکساری کا مظاہرہ کرتا ہے گویا دل قرآن کی قراءت وسماعت سے غافل ہے اور وہ اس کو بوجھ محسوس کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ﴾ (سورۃ

نیکی وبھلائی کے کاموں میں کوتاہی کرنا قساوت قلبی کی علامت ہے۔ کبھی یہ تساہل تمام اعمال خیر میں ہوتا ہے جب کہ بعض اوقات چند جزوی اعمال میں۔ مثلاً نماز کو بغیر خشوع وخضوع کے اس طرح ادا کرنا گویا وہ قید خانے میں ہے اور جلد از جلد رہائی کا خواہش مند ہے۔ سنن ونوافل کی ادائیگی میں سستی کرنا اور فرائض کو بوجھ محسوس کرتے ہوئے تیزی سے ادا کرنا گویا زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ کب وہ گھڑی آئے کہ میں اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں۔

ق:45)

"تو آپ ﷺ قرآن کے ذریعے انھیں سمجھاتے رہیں جو میر ڈراوے کے وعدوں سے ڈرتے ہیں۔"

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾

"بلاشبہ ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔" (سورۃ الانفال:2)

3۔ حوادث زمانہ، قدرتی آفات اور اموات سے عدم تاثر:

مراحل زندگی میں پیش آنے والے عجائبات وحوادث زمانہ اور اموات سے اثر نہ لینا بھی دل کی سختی کا مظہر ہے۔ ایسا شخص قبروں کی زیارت کے باوجود عبرت نہیں پکڑتا جب کہ موت سے بڑھ کر کوئی نصیحت آموز چیز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾

"اور کیا ان کو دکھائی نہیں دیتا کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں، پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔" (سورۃ التوبہ:126)

4۔ دنیاوی لذتوں پر فریفتگی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا:

دنیا کا حصول بھی ایسے شخص کا مطمع نظر اور اہم مشغلہ ہوتا ہے۔ اس کی محبت و عداوت کا معیار بھی دنیاوی مفاد ہی ہوتا ہے۔ نتیجتاً ایسا شخص حسد میں غرق، انانیت، خود پسندی، بخیلی اور مجوسی کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

5۔ اللہ عزوجل کی عظمت و جلالت کا مذکور شخص کے دل میں ماند پڑ جانا:

سخت دل والے انسان کی غیرت مر جاتی ہے اور ایمانی حرارت سرد پڑ جاتی ہے۔ حدود اللہ کی پامالی کو دیکھتے ہوئے بھی اس پر غم وغصے کے اثرات نہیں ہوتے۔ برائی کو دیکھنے اور سننے کے باوجود چپ سادھ لیتا ہے۔ نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی نہیں جانتا اور نہ ہی گناہوں اور معاصی کو خاطر میں لاتا ہے۔

6۔ دل میں ہمیشہ وحشت و نامانوسیت محسوس کرنا:

سخت دل والے انسان کا سینہ تنگ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگوں سے میل جول میں تنگی محسوس کرتا ہے، اطمینان و سکون اس کی زندگی سے مفقود ہو جاتا ہے اور اس کے قلق واضطراب اور بے چینی میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

7۔ ایک گناہ کا دیگر گناہوں کا پیش خیمہ ہونا:

اس حالت میں ایک گناہ دوسرے گناہوں کا ذریعہ بن جاتا ہے اور ایسا شخص گناہوں میں گھرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان سے دامن چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے اور نافرمانی اس کی سرشت میں داخل ہو جاتی ہے۔

قساوت قلبی (سنگ دلی) کے اسباب

دل کی سختی کے متعدد اسباب ہیں جو سنگینی اور خطرناکی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ ان اسباب کے اضافے سے قساوت قلبی میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے اہم اسباب درج ذیل ہیں:

1۔ دنیا پر دل کا ریجھ جانا، اس کی طرف میلان اور آخرت کو فراموش کرنا:

قساوت قلبی کے بڑے اسباب میں سے دنیا کی طرف غیر ضروری میلان اور رغبت بھی ہے۔ دنیا کی محبت جب کسی دل میں ڈیرے ڈال لیتی ہے تو اس کا ایمان بہ تدریج کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آدمی عبادت کو بارِ گراں محسوس کرتا ہے اور دنیا کو ہی کیف وسرور اور لذت خیال کرتے ہوئے آخرت کو طاق نسیاں کر دیتا ہے۔ موت کو بھول کر زندگی سے بھی لمبی لمبی اُمیدیں باندھ لیتا ہے۔ یہ وہ تمام رذائل ہیں کہ جس میں بھی جمع ہو جائیں اس کو ہلاک کیے بغیر نہیں رہتے۔

دنیا کے کئی پہلو مذموم ہیں اگر ان میں سے کسی ایک کی طرف بھی میلان ہو گیا تو دوسرے پہلوؤں کی طرف خود بہ خود میلان ہوتا چلا جاتا ہے اور بندہ رحمت الٰہی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ وہ دنیا کی وادیوں میں سے جس میں چاہے ہلاک ہو جائے۔ العیاذ باللہ

ایسا شخص اپنے رب کو بھولتا چلا جاتا ہے اور دنیا کا بڑے تپاک اور جوش سے استقبال کرتا ہے اور ایک غیر مستحق تعظیم کو عظمت دیتا ہے اور مستحق تعظیم کی اہانت کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی عاقبت بدترین ہوتی چلی جاتی ہے۔ سلف رحمہم اللہ میں سے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

"ہر شخص کے چہرے پر دو آنکھیں ہوتی ہیں جن سے وہ اُمور دنیا کو دیکھتا ہے۔ اور دو آنکھیں اس کے دل میں ہوتی ہیں جن سے وہ امور آخرت پر نظر رکھتا ہے۔ اور اللہ جس بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے دِل کی آنکھیں کھول دیتا ہے، جن سے وہ اللہ کے وعدۂ غیب کو دیکھتا ہے۔ اور جو اس کے برعکس ارادہ رکھتا ہو اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔"

پھر انہوں نے اس بات پر اس آیت سے استشہاد کیا:

﴿أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (سورۃ محمد:26)

"یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔"

2۔ غفلت:

یہ ایک مہلک بیماری ہے، جب یہ دل و دماغ پر قبضہ جماتے ہوئے روح و بدن کو زیر اثر کر لیتی ہے تو یہ

ہدایت کے دروازے بند ہونے ڈالا اور دل پر مہر ثبت ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ (سورۃ النحل:108)

”یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر جن کے کانوں پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں۔“

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کا حال بیان کرتے ہوئے، فرماتے ہیں:

”مخلوقات کے احوال پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر اللہ کے ذکر سے غافل، خواہشات کے بجاری اور اپنے معاملات و مفادات میں کوتاہ واقع ہوئے ہیں، یعنی جو چیزیں ان کے لیے نفع بخش اور جو مفاد حقیقی مفاد تھا اس میں کوتاہی کا شکار ہوئے ہیں۔ وہ اپنے ان غیر مفید امور میں مشغولیت کی وجہ سے جلد یا بہ دیر نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہل غفلت ہی اکثر سخت دل والے ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔ یہی لوگ سخت دل کے مالک ہوتے ہیں جو آنکھیں ہونے کے باوجود اشیاء کا سطحی مشاہدہ کرتے ہیں اور ان اشیاء کی حقیقت و گہرائی تک نہیں پہنچے اور نہ ہی اپنے نفع و نقصان میں امتیاز کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کانوں سے جھوٹ، باطل، گانے، غیبت، بے ہودہ گفتگو اور چلی تو سنتے ہیں مگر ان کانوں سے کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔ ایسے دگرگوں حالات میں ہدایت اور فوز وفلاح کیوں کر ان کا مقدر بن سکتی ہے؟ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾

”اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے جن کے دل ایسے ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے ہیں اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔“ (سورۃ الاعراف:179)

3۔ بری صحبت:

برا ماحول اور بُرے دوستوں کی صحبت بہت زیادہ اثر انداز ہونے والا سبب ہے کیونکہ انسان اپنے ماحول سے بہت جلد اثر لیتا ہے۔ اور جوش مخلوط مجالس کے رسیا، گانے سننے والوں، ڈرامے دیکھنے والوں، کثرت سے ہنسنے والوں، لطیفوں اور چٹکلوں کے دِل دادہ لوگوں کی مجالس و محافل میں شریک ہوتا ہے، ان کا اثر لیتا ہے اور ان کی نقالی کرتا ہے، نتیجتاً ایسے شخص کا دل سخت ہو جاتا ہے اور ماحول سے متاثر ہو کر وہ بھی منکرات کے لیے کمربستہ ہو جاتا ہے۔

4۔ کثرت سے معاصی کا ارتکاب کرنا:

چھوٹے چھوٹے گناہ دیگر کبیرہ گناہوں کا راستہ ہموار کرتے ہیں ایک گناہ دوسرے گناہ کا پیش خیمہ بناہے حتیٰ کہ آدمی گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے جس سے نکلنا محال ہوتا ہے۔ ایسا شخص کبائر کا مرتکب ہوتے ہوئے بھی ان کی قباحتوں کو خاطر میں نہیں لاتا اور ان معاصی سے دامن چھڑانا اس کے بس میں نہیں رہتا ہے بلکہ وہ ان سے بھی بڑے گناہوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ عاصی کے دل سے حدود اللہ کی تعظیم مٹ جاتی ہے۔ اس سے ہدایت کے تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ ایسا شخص طلب معاصی میں اندھا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَذْنَبَ ذَنْبًا كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ مِنْهَا صُقِلَ قَلْبُهُ، فَإِنْ زَادَ زَادَتْ فَذَلِكَ قَوْلُ اللهِ: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾»

”بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے جب وہ اس گناہ سے باز آجاتا ہے اور استغفار کرتا ہے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گناہ کرے تو یہ سیاہی بھی زیادہ ہوتی رہتی ہے حتی کہ اس کے دل پر غلبہ پا لیتی ہے، یہی وہ زنگ ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا: ”ہرگز ایسا نہیں ہے! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے۔“

5۔ موت، سکرات الموت، قبر اور عذاب قبر کو فراموش کرنا:

کسی بھی آدمی کا موت، موت کی سختیوں، قبر اور اس کی ہولناکیوں، عذابِ قبر، انعام واکرام، حشر نشر، پل صراط، حساب وکتاب کے کھلنے اور آگ کو بھول جانا بھی دل میں سختی کا باعث ہے۔

6۔ دل میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے والے معاملات میں مشغول ہونا:

قبر کے سوال وجواب ظلمت ووحشت، اس کی تنگی، ہولناکیوں، سکرات الموت، خدا کے روبہ روپیشی کا تصور وغیرہ ایسے اسباب ہیں جو دل کو خواب غفلت سے بے دار کرتے اور متنبہ کرتے ہیں جس سے سنگ دل اور سخت دل اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے منکسر المزاج بن جاتا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے مفسدات قلب پانچ ذکر کیے ہیں:

☆(دنیادار) لوگوں کے ساتھ کثرت سے میل جول رکھنا

☆ آرزوؤں اور تمناؤں کے سمندر میں غوطہ زن ہونا۔

☆غیر اللہ سے وابستگی۔ ☆کثرت سے کھانا۔

☆کثرت سے سونا۔

قساوت قلبی کا علاج

رقت قلبی بڑی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ جس کا دل بھی اللہ کے لیے نرم پڑ گیا وہ نیکی کے امور میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیتا ہے۔ اللہ کی اطاعت اور حصول محبت الٰہی میں حریص ہوتا چلا جاتا ہے جس کے سبب معاصی کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ مگر جو شخص بھی اس نعمت سے محروم کر دیا گیا وہ اللہ کے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ﴾

”پس ہلاکت ہے ان کے لیے جن کے دل یادِ الٰہی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔“ (الزمر:22)

چند امور جو دل کی سختی کو دور کر کے اسے اپنے خالق و مولا کے لیے منکسر وخاشع بنادیتے ہیں، آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں:

1۔ معرفت الٰہی:

جس شخص نے بھی اپنے رب کو اس طرح پہچان لیا جس طرح اس کے پہچاننے کا ہے، اس کی عقل کو جلا ملتی ہے۔ جب کہ معرفتِ الٰہی سے نابلد اور تہی دامن شخص کا دل سخت ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ کی معرفت سے عاری لوگ ہی سخت دل کے حامل ہوتے ہیں۔ جو شخص جتنا اللہ تعالیٰ سے دور ہو گا وہ اتنا ہی حدود اللہ کو پامال کرنے کی جسارت کرے گا۔ جب کبھی آپ ایسے شخص کو دیکھیں جو ہمیشہ اللہ کی مخلوقات میں غور و فکر کرتا رہتا ہے اور اپنے اوپر اللہ کی بے شمار نعمتوں کو یاد کرتا رہتا ہے تو آپ ایسے شخص کے دل کو نرم مزاج پائیں گے۔

2۔ موت اور مابعد الموت کو یاد کرنا:

قبر کے سوال وجواب ظلمت و وحشت، اس کی تنگی، ہولناکیوں، سکرات الموت، خدا کے روبہ روپیشی کا تصور وغیرہ ایسے اسباب ہیں جو دل کو خواب غفلت سے بے دار کرتے اور متنبہ کرتے ہیں جس سے سنگ دل اور سخت دل اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے منکسر المزاج بن جاتا ہے۔

اسی لیے نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو موت یاد رکھنے کی وصیت فرمائی:

«أكثروا ذكرَ هاذمِ اللَّذاتِ : الموتِ ؛ فإنَّه لَم يذْكُرْه أحدٌ في ضيقٍ مِن العَيشِ إلَّا وسَّعَه علَيهِ ، و لا ذكرَه في سَعةٍ إلَّا ضيَّقَها عليهِ»

”تم لذتوں کو مٹانے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ کیونکہ جو بندہ اس (موت) کو تنگی میں یاد کرتا ہے وہ کم پر بھی قناعت کرتا ہے۔ اور جو شخص اس کو (موت کو) خوش حالی میں یاد کرتا ہے تو اس کی خوش حالی محدود ہو جاتی ہے۔“ (صحیح الجامع:1211)

سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں موت کو بھول جاؤں اور میرا دل فساد کا شکار ہو جائے۔“

3۔ قبروں کی زیارت کرنا اور اہل قبور کے بارے غور و فکر کرنا:

بندہ جب غور و فکر کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کے وہ بھائی اور ساتھی جو کل تک اس کے ساتھ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے اور اچھے اچھے، عمدہ لباس زیب تن کرتے تھے آج اپنا مال و اولاد سب کچھ چھوڑ کر منوں مٹی تلے دبے ہوئے ہیں۔ بندہ جب کچھ دیر کے لیے خود کو ان کے درمیان تصور کرتے ہوئے ان کے ٹھکانے کو اپنا ٹھکانہ کھے گا تو یقیناً زیارت قبور وعظ و نصیحت، عبرت اور غافلوں کے لیے تذکیر و تنبیہ کا سامان فراہم کرے گی۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، أَلَا فَزُورُوهَا، فَإِنَّهُ يَرِقُّ الْقَلْبَ، وَتَدْمَعُ الْعَيْنَ، وَتُذَكِّرُ الآخِرَةَ»

”میں تمہیں پہلے زیارت قبور سے منع کرتا تھا، سو اب تم قبروں پر جایا کرو کیوں کہ اس سے دل نرم اور آنکھ نم ہو جاتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔“

4۔ قرآن کی آیات پر غور و فکر کرنا:

جو شخص بھی قرآن کے وعدہ وعید اور اوامر و نواہی میں غور و فکر کرتے ہوئے حضور قلبی کے ساتھ اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، تو اللہ کے ڈر سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، آنکھیں بہہ جاتی ہیں اور اس کی روح ایمانی لرز جاتی ہے۔ دل ڈھل جاتے ہیں اور وہ رجوع الی اللہ کا خواہش مند ہو جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾

”اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی

کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی جانے والی آیات پر مشتمل ہے۔ جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں آخر کار ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں یہ ہے اللہ کی طرف سے رہنمائی جس کے ذریعے جسے چاہے راہِ راست پر لگا دیتا ہے اور جسے اللہ ہی راہ بھلا دے اس کا کوئی ہادی نہیں ہے۔"(سورۃ الزمر:23)

5۔ آخرت کی یاد، قیامت اور اس کی ہولناکیوں کی فکر کرنا:

جنت اور اس میں اطاعت گزار بندوں کے لیے اللہ کی طرف سے تیار شدہ نعمتوں اور جہنم اور اس میں گناہ گاروں اور سیاہ کاروں کے لیے تیار ہمیشہ کا عذاب، یہ وہ تمام مناظر و احوال ہیں جو نیندیں اڑا دیتے ہیں اور نیک لوگوں کی دم توڑتی ہمتوں اور شکست خوردہ عزائم کو تحریک دیتے ہیں ۔ ایسے دل حقیقتاً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے وہ دل نرم پڑ جاتے ہیں۔

6۔ کثرت سے ذکر و استغفار کرنا:

دل کی سختی کو اللہ کے ذکر کے علاوہ کوئی چیز نرم نہیں کر سکتی۔ بندۂ مسلم کو چاہیے کہ وہ دل کا علاج اللہ کے ذکر سے کرے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے سیدنا حسن رحمہ اللہ والے کے پاس آ کر قساوت قلبی کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا:

"اس کو اللہ کے ذکر سے نرم کرو کیونکہ دل کی کی سختی غفلت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بندہ جس قدر اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے، دل بھی اسی قدر سخت ہو جاتا ہے، اللہ کی یاد سے دل ایسے نرم ہو جاتا ہے جیسے سیسہ آگ میں پگھل جاتا ہے۔"

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"دل کی سختی 2 وجہ سے ہے، غفلت اور گناہ۔ جب کہ اس کی جلا 2 چیزوں میں ہے: استغفار اور ذکر"

7۔ نیک لوگوں سے میل جول اور تعلقات رکھنا:

نیک لوگوں کی صحبت اور ان سے میل جول رکھنا بھی اصلاح قلب کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ کم ہمتوں کی ہمت بڑھاتے، بھولے ہوؤں کو یاد دہانی کرواتے ہیں اور جہلاء کی رہنمائی کرتے ہیں۔ غریب و نادار کی مدد کرتے اور خاص طور سے انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ صلحاء کی زیارت اللہ کی یاد دلاتی ہے اور اطاعت پر ابھارتی ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾ (سورۃ الکھف:28)

"اور اپنے دل کو اُن لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اُسے پکارتے ہیں، اور اُن سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔"

☆☆☆

شیخ صالح بن فوزان الفوزان نے فرماتے ہیں:

حق بات کا یہ حق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔

- مسلک کے لئے عصبیت جائز نہیں۔
- افراد کے لئے عصبیت جائز نہیں۔
- اور قبائل کے لئے عصبیت جائز نہیں۔

ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ

- حق جہاں کہیں ملے، وہ اس کی اتباع کرتا ہے۔
- وہ تعصب نہیں کرتا۔
- حق بات کو نہیں چھوڑتا۔

مسلمان تو وہ ہے، اسے جہاں حق مل جائے، اس کے ساتھ رہتا ہے۔

- خواہ یہ حق اس کے مسلک میں ہو یا دوسرے کے مسلک میں۔
- اس کے امام کے پاس ہو یا دوسرے کے امام کے پاس۔
- اس کے قبیلے اور برادری کے ساتھ ہو یا دوسرے کے قبیلے اور برادری کے ساتھ۔
- یہاں تک کہ اگر حق اس کے دشمن کے پاس ہو تب بھی وہ اسے اختیار کرتا ہے۔
- کیونکہ حق کی رجوع کرنا۔
- باطل پر جم جانے سے بہتر ہے۔

(إعانة المستفيد:2/115)

☆☆☆

دل کی سختی کو اللہ کے ذکر کے علاوہ کوئی چیز نرم نہیں کر سکتی۔ بندۂ مسلم کو چاہیے کہ وہ دل کا علاج اللہ کے ذکر سے کرے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے سیدنا حسن رحمہ اللہ والے کے پاس آکر قساوت قلبی کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا:
"اس کو اللہ کے ذکر سے نرم کرو کیونکہ دل کی کی سختی غفلت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بندہ جس قدر اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے، دل بھی اسی قدر سخت ہو جاتا ہے، اللہ کی یاد سے دل ایسے نرم ہو جاتا ہے جیسے سیسہ آگ میں پگھل جاتا ہے۔"



آج کی نشست میں یورپین کونسل برائے فتویٰ و ریسرچ کے فتاوی میں سے چند فتاویٰ کا انتخاب کیا گیا ہے جو کونسل کے اجلاس منعقدہ دسمبر 2021ء میں زیر بحث آئے۔

قبلہ سے انحراف کا حکم

سوال: ہم طلبہ یونیورسٹی کے ایک کمرہ میں نماز ادا کرتے ہیں اور سہولت کے لیے کمرے کے مطابق رخ سیدھا رکھتے ہیں لیکن قبلے سے تھوڑا سا انحراف ہو جاتا ہے۔ اب تک تو یہی معمول چلا آرہا ہے کہ جس کا فتویٰ ہمارے ایک فاضل دوست جو کہ جامعہ مدنیہ کے فارغ ہیں، نے دیا تھا، لیکن چونکہ اکثر حاضرین کا اطمینان قلبی نہیں ہو پا رہا تھا، اس لیے ایک صاحب نے انٹرنیٹ اور کمپاس کی مدد سے مندرجہ ذیل معلومات جمع کیں:

1۔ کعبہ سے ہمارے شہر کا فاصلہ 4975 کلو میٹر ہے۔
2۔ کعبہ کی سمت سے ہم تقریباً 35 درجے کا انحراف رکھتے ہیں۔
3۔ ہماری اگلی پچھلی نماوں کا کیا حکم ہو گا؟

اور اگر اس جہت میں نماز پڑھنا ناجائز ہے تو کیا ہم اسی مصلیٰ میں علیحدہ جماعت سے نماز پڑھ لیا کریں یا انفرادی ادا کریں اور وہ اس لیے کہ دوسری کوئی جگہ موجود نہیں ہے؟

جواب: یہ بات طے شدہ ہے کہ قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنا نماز کی صحیح ادائیگی کے لیے شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ﴾

"تو پھر آپ اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں بھی تم ہو تو اپنے چہروں کو اسی کی طرف پھیر لو۔" (سورۃ البقرۃ:144)

اس لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو، قبلہ کا رخ ہر ممکن طریقے سے جاننے کی کوشش کرے چاہے وہ علامات یا آلات قبلہ کی مدد سے ہو یا اس علاقے کے ثقہ لوگوں کے بتانے سے حاصل ہو۔

قبلے کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ما بَيْنَ المَشْرِقِ والمَغْرِبِ قِبْلَة»

"مشرق اور مغرب کے مابین قبلہ ہے۔"

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دونوں جہتوں کے بالکل درمیان کا رخ کریں۔ (المغنی: 1/457)

یہاں مشرق اور مغرب کا ذکر مدینہ منورہ کے اعتبار سے ہے۔

اہل علم کے ہاں اس بات میں اختلاف رائے ہے کہ آیا کعبہ کی طرف بذات خود رخ کرنا ضروری ہے یا صرف اس کی جہت کی طرف رخ کرنا کافی ہے؟

شافعیہ کے نزدیک پہلی رائے اور جمہور کے نزدیک دوسری رائے راجح ہے۔ جمہور کی رائے اس حالت کے بارے میں ہے کہ جب عین کعبہ کا رخ کرنا مشکل ہو، لیکن جیسی آپ لوگوں کی صورتحال ہے تو اس میں عین کعبہ کی جہت کا معلوم کرنا واجب ہو گا۔

حنبلی امام بہوتی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اس حدیث کے مطابق تھوڑا سا انحراف چاہیے، دائیں طرف ہو یا بائیں طرف تو وہ معاف کیا جائے گا۔ کیونکہ عین کعبہ کا رخ کرنا تو واقعی مشکل ہے۔ اس لیے اس کی جگہ کعبہ کی جہت کو ضرورۃً ملحوظ رکھا جائے گا۔ (شرح منتہی الارادات للبہوتی: 1/346)

اور اس بات کی تائید عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب نبی ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو اس کی ہر جانب دعا کی لیکن نماز ادا نہیں کی اور جب باہر نکل آئے تو کعبہ کے رخ پر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور کہا: یہی قبلہ ہے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب عین کعبہ معلوم ہو یا اس کی طرف رخ کرنا بالکل واضح ہو تو پھر نماز پڑھنے والے کو عین کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں، اور اس کے لیے جائز نہیں کہ بغیر ضرورت صرف جہت کا اعتبار کرے اور اسی بات کو بعض محققین جیسے امیر صنعانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ "بين المشرق والمغرب قبلة" کا تقاضا ہے کہ اگر عین کعبہ کی طرف رخ کرنا متعذر ہو تو صرف جہت کا اعتبار کر لیا جائے۔ (سبل السلام: 1/260)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ صرف جہت کی طرف رخ کرنا صرف اسی کے لیے جائز ہے جو کعبہ سے دور ہونے کی بنا پر عین کعبہ کا استقبال نہ کر سکتا ہو، تو جو شخص عصر حاضر میں ماڈرن آلات کی مدد سے عین کعبہ کی جہت کو متعین کر سکتا ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو اس شخص کا ہے جو کعبہ کے سامنے کھڑا ہو اور کعبہ کو دیکھ رہا ہو۔ ایسے شخص کے لیے رُخ کعبہ سے انحراف کرنا جائز نہیں ہے۔

یورپین کونسل سے اسی مضمون کا فتویٰ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ (3:1)

اور اس بنا پر ہم یہ کہیں گے کہ اگر ماہرین فن کے مطابق کعبہ کی عین جہت کا تعین کیا جا سکتا ہے تو آپ لوگوں کے لیے بھی وہی حکم ہے جو اس شخص کا ہے جو کعبہ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہو، لیکن اگر آپ اجتہاد سے کام لے رہے ہیں تو معمولی اختلاف کا اعتبار نہ ہو گا۔ اس لیے بجائے اختلاف کرنے کے اہل علم کی طرف رجوع کریں۔ جیسے اللہ کا حکم ہے:

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ النحل:43)

اور بظاہر علماء کا اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ اگر عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہیں ہے تو اس خیال سے کہ زیادہ سے زیادہ وہ نمازی صفوں میں سما سکیں تو معمولی اختلاف کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز پڑھتے وقت بدن کو تھوڑا سا موڑ لیا جائے تا کہ انسان اختلاف سے بھی بچ جائے اور اس کی نماز بھی صحیح رخ پر ادا ہو جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ ہماری پچھلی نمازوں کا کیا ہوگا؟

تو جمہور فقہاء کے نزدیک پچھلی ادا کردہ تمام نمازیں درست شمار ہوں گی اور وہ اس بنیاد پر کہ آپ لوگ عین جہت کعبہ کا اندازہ نہ کر سکے تھے۔

اور آپ نے کسی ایک اجتہاد پر عمل کر لیا تھا۔

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”اور جو شخص اپنے اجتہاد سے تھوڑا سا دائیں یا بائیں رخ پر نماز ادا کر لیتا ہے تو اس کے لیے اسی وقت یا بعد میں نماز لوٹانا واجب نہیں ہے۔“ (الکافی لابن عبد البر: 1/199)

اور آپ کا یہ سوال کہ اگر ہم کعبہ کی عین جہت کو اب اختیار کرنے کی کوشش کریں گے تو جماعت میں فتنہ پیدا ہوگا تو ہم آپ لوگوں کو یہی نصیحت کریں کہ کسی حال میں بھی فتنہ کا دروازہ نہ کھولیں۔ آپ جماعت کے علم میں یہ فتویٰ لے آئیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اسے قبول فرما لیں گے اور اس پر علمدرآمد بھی کر لے گیں۔ عام طور پر جماعت کے ذمہ دار افراد نماز جیسے اسلام کے ایک بڑے رکن کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہیں اور خاص طور پر جب کہ یہ مسئلہ نماز کی ایک شرط یا ایک قول کے مطابق نماز کے ایک رکن سے متعلق ہے۔

بہر حال یہ بات تو طے ہے کہ لوگوں کا اجتماع ایسی بات پر ہونا چاہیے جو یقینی طور پر معلوم ہو اور اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ اور ایسے امر میں اختلاف ایک شر ہے جو قابل مذمت بھی ہے اور اختلاف کرنے والوں کو اس بات سے کوئی خیر حاصل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾

”اور ان لوگوں جیسے مت ہو جاؤ جو جدا جدا ہو گئے اور کھلی کھلی نشانیاں آنے کے بعد بھی اختلاف کرتے رہے۔“ (سورۃ آل عمران: 105)

اور اگر ذمہ دار افراد پھر بھی مذکورہ انحراف پر اصرار کرتے رہے (اور اللہ ایسا نہ ہونے دے) تو ہم یہی نصیحت کریں گے کہ معاملہ ان پر چھوڑ دیا جائے اور ان کے ساتھ جھگڑا نہ کیا جائے، وہ خود اللہ کے ہاں اس بات کے ذمہ دار ہوں گے، ہم اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ ایسا کوئی بھی اختلاف کیا جائے جس سے مسلمانوں کے درمیان اور خاص طور پر اللہ کے گھروں میں فتنہ وفساد پیدا ہو، اور بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ اختلاف شر ہی شر ہے۔ بہر حال ہم دوبارہ پھر تاکید کیے دیتے ہیں کہ نمازی اس وقت تک بریٔ الذمہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی نماز یقینی طور پر یا ظن غالب کی بنیاد پر صحیح جہت میں ادا نہیں ہوتی۔ ہم آپ سب لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈریں، جماعت کی صفوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں، فرقہ بندی اور جھگڑے سے پرہیز کریں، ایک خصوصی کمیٹی کی تشکیل دیں جو قبلہ کے بارے میں تحقیق کے بعد اپنی رائے واضح کر دے جو سب کے لیے لازم ہو اور اللہ آپ کا مددگار ہو۔

ریٹائرمنٹ کے بعد موصول شدہ مال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: ریٹائرمنٹ کے بعد جو رقم کمپنی کی طرف سے یا حکومت کی جانب سے دی جاتی ہے وہ ماہانہ تنخواہ کی مانند دی جاتی ہے، یکمشت نہیں دی جاتی۔ تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کیسے ہوگی؟ اور یہ بات علم میں ہونی چاہیے کہ یہ مال کئی سالوں سے جمع شدہ تھا۔

جواب: ریٹائرمنٹ کے بعد دیا جانے والا مال چاہے یکمشت ہو یا ماہانہ بنیاد پر دیا جائے وہ موجود مال کے ساتھ جمع کر لیا جائے اور پھر سال گزر جانے کے بعد نصاب کو پہنچ گیا تو اس پر زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ اسے مال مستفاد کہا جاتا ہے اور اس کا یہی قاعدہ ہے کہ اسے زکوٰۃ ادا کرنے والے شخص کے موجود مال کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے اور جونہی وہ سال پورا ہو جاتا ہے تو وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا پابند ہے۔

آلات تنفس کی خرید کے لیے کیا زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

سوال: کورونا کی وبا پھیلنے کے زمانے میں بعض مسلم ممالک میں یہ بھی دیکھا گیا کہ وہاں ہسپتالوں میں آلات تنفس (Ventilator) کی کمی واقع ہو گئی ہے، تو یورپ کی کئی اسلامی تنظیموں نے زکاۃ کا مال اکٹھا کر کے یہ آلات خریدے اور پھر انہیں ایسے ہسپتالوں میں مفت تقسیم کیا تو کیا ایسا کرنا درست تھا؟

جواب: بہتر تو یہی تھا کہ یہ آلات عمومی صدقات سے خریدے جاتے کیونکہ ان آلات سے استفادہ کرنے والے امیر اور غریب دونوں طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ البتہ اگر ان سے فائدہ اٹھانے والے زیادہ تر فقراء ہوں تو زکوٰۃ کے مال سے انہیں خریدا جا سکتا ہے، لیکن اُمراء حضرات سے فیس لی جائے اور فیس سے حاصل شدہ رقم کو مزید آلات کے خریدنے یا فقراء کے مفت استعمال کے لیے مخصوص کیا جائے۔

ویڈیو کانفرنس کے ذریعہ نکاح کا حکم

سوال: کیا ویڈیو کانفرنس کے ذریعہ رسم نکاح ادا کی جا سکتی ہے؟

جواب: اسلام میں شادی کرنا نہ صرف ایک طبعی ضرورت کو پورا کرنا ہے بلکہ وہ عبادت بھی ہے کہ جس سے ایک مسلمان اپنے نصف دین کو پورا کرتا ہے جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَن رَزَقَهُ اللَّهُ امرَأَةً صَالِحَةً فَقَد أَعَانَهُ عَلَى شَطرِ دِينِهِ، فَليَتَّقِ اللَّهَ فِي الشَّطرِ الثَّانِي» (الطبرانی فی الاوسط: 1/294؛ مستدرک حاکم: 2/175)

”اللہ نے جسے ایک نیک خاتون بخشی تو اسے اپنے نصف ایمان (کو مضبوط کرنے) پر مدد دی تو پھر اسے چاہیے کہ وہ باقی نصف ایمان میں بھی اللہ سے ڈرتا رہے۔“

شادی ہی سے ایک معاشرے کے بنیادیں اٹھائی جاتی ہیں۔ شریعت نے اسی لیے شادی کرنے کے لیے وہ احکامات دیے ہیں کہ اگر ان کی پابندی کی جائے تو نکاح درست قرار دیا جا سکتا ہے، یہاں ان کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے، کتب فقہ میں ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

کورونا کی وبا پھیلنے کے نتیجے میں حفاظت جان کی خاطر

لوگ گھروں میں بند ہو کر بیٹھنے پر مجبور ہو گئے اور جس کی ہدایت حکومت کی جانب سے دی گئی تھی اور حفاظت نفس شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد شمار ہوتا ہے۔

شریعت میں آسانی رکھی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾

"اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔" (سورۃ البقرۃ:185)

اور فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ﴾

"اللہ چاہتا ہے کہ تم پر نرمی کرے۔" (سورۃ النساء:28)

اور اللہ تعالیٰ ہم سے مشکلات مٹانا چاہتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾

"اور اللہ نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تکلیف روا نہیں رکھی۔" (سورۃ الحج:78)

فقہی قواعد میں بھی یہی باتیں کہی گئی ہیں:

"مشقت آسانی لے آتی ہے۔"

"شرعاً نقصان کو دور کیا جاتا ہے۔"

"جب کسی معاملہ میں تنگی ہو جائے تو اس میں فراخی آ جاتی ہے۔"

اور اگر صورتحال یہ ہو کہ نکاح کے لیے زوجین، ولی، گواہوں اور لوگوں کے جمع ہونے میں دقت ہو، مضرّت کا بھی اندیشہ ہو تو ہم ویڈیو کانفرنس کے ذریعہ نکاح منعقد کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، یہ ایک ایسا وسیلہ ہے کہ جس کے ذریعے لوگ ایک دوسرے سے ہم کلام ہو سکتے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔

تو بربنائے ضرورت ایسا کرنا جائز ہے، اس بات کا بھی ہونا ضروری ہے کہ نکاح خواں کو پورا اطمینان ہو کہ نکاح کے تمام ارکان اور شرائط موجود ہیں، ملکی قوانین کی بھی خلاف ورزی نہیں ہو رہی ہے۔ یہ افضل ہے کہ دفتری کاغذات پر دستخط کرنے کی خاطر شوہر سے اس مجلس میں جہاں بیوی اور اس کا ولی موجود ہے، اپنا کوئی وکیل متعین کر دے تاکہ وہ اس کی طرف سے دستخط کر سکے۔ واللہ اعلم

مفقود کی زوجہ سے شادی کا حکم

سوال: میرا ایک شامی دوست ہے جس نے سویڈن میں ایک شامی پناہ گزین خاتون سے دسمبر 2015ء میں شادی کر لی تھی۔ اس سے اولاد بھی ہے لیکن اس عورت کا اس سے قبل شام میں نکاح ہو چکا تھا، رخصتی نہیں ہوئی تھی، بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کو صرف دو مرتبہ ہی دیکھا تھا۔ جون 2013ء میں شوہر لاپتہ ہو گیا۔ گمان غالب ہے کہ داعش ہی نے اسے اغوا کر کے غائب کر دیا ہے اور آج تک اس کا پتہ نہیں چلا ہے، میرے اس دوست اور اس کی بیوی کا خیال تھا کہ لاپتہ شوہر پر دو سال گزر جانے کے بعد خود بخود نکاح ختم ہو جاتا ہے اور جب ان دونوں نے شام کی عدالتوں میں اس نکاح کو فسخ کرانا چاہا تو موجودہ شامی حکومت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ یہ دونوں افراد حکومت کے نزدیک مطلوب افراد میں سے تھے۔ اب یہ دونوں سویڈن میں مقیم ہیں، دو بچے بھی ہو چکے ہیں، جہاں یہ رہتے ہیں وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا مسلمان یا عرب موجود نہیں ہے۔ اب ان دونوں کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ اپنی زوجیت کو کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں۔ اپنی شادی کو صحیح قرار دینے کے لیے انہیں کیا کرنا پڑے گا؟ طریق کار اور شرائط کیا ہوں گی؟ کوئی جماعت یا قاضی کن صفات کا حامل ہونا چاہیے کہ وہ اس مسئلہ میں فیصلہ دے سکیں؟ اور کیا اس خاتون کو عدت گذارنا ہو گی اور اس کا شمار کب سے ہو گا؟

جواب: جمہور فقہاء کے نزدیک میاں بیوی کے درمیان شوہر کے مفقود ہونے کی بنا پر 4 سال سے پہلے تفریق کی اجازت نہیں ہے۔ احناف کی رائے بڑی سخت ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک تفریق نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اس شخص کے ہم عمر ساتھی وفات نہ پائیں۔ مالکیہ کے نزدیک حالت امن اور حالت جنگ میں فرق روا رکھا گیا ہے۔ امن کی حالت میں چار سال اور حالت جنگ میں ایک سال کی جدائی کا اعتبار کیا گیا ہے اور وہ اس لیے کہ حالت جنگ میں آدمی کے مرنے کا امکان زیادہ ہے۔ اور تفریق کا اختیار قاضی کے پاس ہے، جب کہ زوجہ اپنا معاملہ اس کے سامنے پیش کرے، قاضی پھر تمام تحقیقات کروائے گا اور پھر شوہر کی موت کا حکم جاری کرے گا (یعنی حقیقی موت کا نہیں بلکہ صرف فیصلے کی حد تک)

اب اس مقدمے کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ دونوں کا عقد زواج باطل ہے کیونکہ خاتون ابھی تک اپنے پہلے شوہر کے نکاح میں ہے، اور کسی بھی دوسرے شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس سے شادی کرے، الّا یہ کہ قاضی نے نکاح فسخ کر دیا ہو یا پہلے شوہر نے طلاق دی ہو اور پھر اس عورت نے عدت کے ایام بھی پورے کیے ہوں۔

زوجین کے درمیان یہ دوسرا عقد، عقد شبہ ہے جس کی بنا پر بچے اپنے باپ ہی سے منسوب کیے جائیں گے۔ ان دونوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں اور اگر اپنے وطن میں عدالت کی طرف رجوع نہیں کر سکتے تو جہاں رہ رہے ہیں وہاں کی عدالتوں کی طرف رجوع کریں اور ان کے فیصلے کا انتظار کریں اور جب یہاں کی عدالت ان کا نکاح فسخ کر دے تو اس خاتون کو پہلے خاوند کے حق کی بنا پر عدّت پورا کرنی ہو گی جو کہ جمہور کے نزدیک تین حیض کے برابر ہے، اور شافعیہ کے نزدیک اگر اس عورت کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت ایک حیض کے آنے تک ہو گی جس سے استبراء حمل مقصود ہو گا یعنی یہ معلوم کرنا کہ اسے حمل تو نہیں ہے۔ جمہور کی رائے اس آیت کے مطابق ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ (سورۃ البقرۃ:228)

"اور طلاق یافتہ عورتیں تین قروء تک انتظار کریں۔" (قُرْءٌ (جمع قروء) سے حیض یا طہر دونوں مراد لیے جا سکتے ہیں)

عدت گذر جانے کے بعد وہ سویڈن کے سرکاری رجسٹرار نکاح کے سامنے دوبارہ عقد کروالیں اور بہتر ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ شرعی طور پر بھی نکاح کر لیں۔

☆☆☆



اولاد کے ساتھ شفقت

اولاد سے محبت وشفقت اللہ کے رحم وکرم کا موجب عمل ہے اور جو اس سے قاصر ہوتا ہے وہ اللہ کے رحم سے محروم ہوتا ہے۔

جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَبَّلَ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، وَالْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ جَالِسٌ عِنْدَهُ، فَقَالَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ لِي عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ إِنْسَانًا قَطُّ قَالَ: فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ.» ([صحيح] صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته: 5997-صحيح مسلم، كتاب البروالصلة، باب رحمته صلى الله عليه وسلم الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك: 2318)

"رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا تو اقرع بن حابس پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے تو ان میں سے کسی کا بھی کبھی بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: جو (کسی پر) رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔"

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: أَتُقَبِّلُونَ الصِّبْيَانَ، فَمَا نُقَبِّلُهُمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَوَ أَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ.»

([صحيح] صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته :5998- صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك: 2317)

"ایک دیہاتی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا آپ ﷺ بچوں کو چومتے ہیں؟ ہم تو انہیں نہیں چومتے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ نے ہی تمہارے دِل سے شفقت چھین لی ہو تو پھر میں تمہارا کیا کر سکتا ہوں۔"

گویا اپنے بچوں کو پیار نہ کرنا اللہ کی طرف سے رحمت وشفقت چھِن جانے کی دلیل ہے اور رحمتِ الٰہی کے حقدار ٹھہرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ محبت کا اظہار کیا جائے، ان پر شفقت کی جائے اور ان کے ساتھ نرم رویہ رکھا جائے، تاکہ اولاد والدین کی شفقت سے اور والدین اللہ کی رحمت سے محروم نہ ہو پائیں۔

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْخُذُنِي فَيُقْعِدُنِي عَلَى فَخِذِهِ وَيُقْعِدُ الْحَسَنَ عَلَى فَخِذِهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ يَضُمُّنَا، ثُمَّ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَإِنِّي أَرْحَمُهُمَا.»([صحيح] صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب وضع الصبي على الفخذ: 6003- مسند أحمد:205/5)

"رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑ کر اپنی (بائیں) ران پر اور حسن رضی اللہ عنہ کو دائیں ران پر بٹھا لیا کرتے تھے، پھر ہمیں (محبت سے) بھینچ لیتے (یعنی زور سے سینے سے لگا لیتے) اور فرماتے: اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما! کیونکہ میں بھی ان پر شفقت کرتا ہوں۔"

یہ کمالِ شفقت کے اظہار کا انداز ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی احاطہ علم میں آتی کہ اپنی اولاد کے لیے رب تعالیٰ کے حضور دست بہ دعا بھی رہنا چاہیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ وَضَعَتِ ابْنَتَيْنِ لَهَا تَسْأَلُنِي، فَلَمْ أَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا، فَأَخَذَتْهَا فَشَقَّتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا شَيْئًا، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ وَابْنَتَاهَا، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ، فَحَدَّثْتُهُ حَدِيثَهَا، فَقَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: «مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ سِتْرًا لَهُ مِنَ النَّارِ»

([صحيح] صحيح بخاري، كتاب الزكاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة والقليل من الصدقة: 1418-صحيح مسلم، كتاب البروالصلة، باب فضل الإحسان إلى البنات: 2629)

"میرے پاس ایک عورت آئی، اس نے اپنی 2 بیٹیوں کو اٹھار کھا تھا، وہ مجھ سے (کھانے کے لیے کچھ) مانگنے لگی تو میرے پاس سوائے ایک کھجور کے اور کچھ نہ تھا، میں نے وہی کھجور اسے دے دی۔ اس نے وہ کھجور پکڑی اور اس کے دو ٹکڑے کر کے اپنی بیٹیوں کو کھلا دی لیکن خود اس سے ذرہ بھی نہ کھائی، پھر وہ اُٹھی اور اپنی بیٹیوں کو لے کر چلی گئی۔ جب نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ آپ ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کو بیٹیوں کے ساتھ آزمایا گیا اور اس نے اچھے طریقے سے ان کی پرورش کی، تو وہ اس کے لیے (جہنم کی) آگ سے آڑ بن جائیں گی۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

جَاءَتْ مِسْكِينَةٌ تَحْمِلُ ابْنَتَيْنِ لَهَا، وَأَعْطَيْتُهَا ثَلَاثَ تَمَرَاتٍ، فَأَعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا تَمْرَةً، وَرَفَعَتْ إِلَى فِيهَا تَمْرَةً لِتَأْكُلَهَا، فَاسْتَطْعَمَتْهَا ابْنَتَاهَا، فَشَقَّتِ التَّمْرَةَ الَّتِي كَانَتْ تُرِيدُ أَنْ تَأْكُلَهَا بَيْنَهُمَا، فَأَعْجَبَتْنِي، فَذَكَرْتُ الَّذِي صَنَعَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ تَعَالَى أَوْجَبَ لَهَا

بِهَا الْجَنَّةَ، وَأَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ» [صحيح] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الإحسان إلى البنات: 2630- مسند أحمد:252/5)

”ایک مسکین عورت اپنی دو بیٹیوں کو اٹھائے ہوئے آئی، میں نے اسے تین کھجوریں دیں تو اس نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک کھجور دے دی اور باقی ایک کھجور کو (خود کھانے کے لیے) اپنے منہ کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ اس کی بیٹیوں نے وہ بھی مانگ لی، تو اس عورت نے وہ کھجور جسے وہ خود کھانا چاہتی تھی دو ٹکڑے کرکے ان دونوں کو دے دی۔ مجھے اس کی یہ بات بہت پیاری لگی، میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں اس عورت کے لیے جنّت کو واجب کر دیا اور اسے جہنّم سے آزاد کر دیا۔“

ماں کا معاملہ ہی اللہ تعالیٰ نے سب سے جُدا رکھا ہے، یہ ایسی ہستی ہے کہ جو اپنی اولاد کی خوشی کے لیے اپنی ادنیٰ سی خوشی سے لے کر اپنی زندگی بھر کے آرام وسکون کو قربان کر دینے میں دوراۓ نہیں رکھتی، انسان ماں کی محبت کو لفظوں میں قید کرنے سے قاصر ہے، محبتِ حقیقی کا یہ واحد ایسا جذبہ ہے کہ جس کا اندازہ اس ہستی کے سوا کوئی بشر نہیں لگا سکتا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ، وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ.» [صحيح] صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب إلى من ينكح، وأي النساء خير، وما يستحب أن يتخير لنطفه من غير إيجاب: 5082-صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب إذا أعتق نصيبا في عبد، وليس له مال، استسعي العبد غير مشقوق عليه: 2527)

”اونٹ پر سواری کرنے والی عورتوں میں سے بہترین عورت قریش کی نیک عورت ہوتی ہے، جو اپنے بچے کے بچپن میں اس سے بہت زیادہ شفقت کرتی ہے اور اپنے خاوند کے مال واسباب میں اس کی نگہبان ہوتی ہے۔“

حدیث میں مذکور أَحْنَا کا لفظ حَنْيٌ سے ہے، اور حَنْيٌ کا مطلب ہے انتہا درجے کی شفقت ومہربانی کرنا، جب اس لفظ کا استعمال عورت کے ساتھ ہوتا ہے تو پھر مطلب ہوتا ہے کہ ایک بیوہ عورت کا اپنے بچوں پر اس درجے تک شفیق ومہربان ہونا کہ ان کی وجہ سے وہ دوسری شادی نہ کرے تاکہ پوری توجہ سے ان کی دیکھ بھال کر سکے۔ اس حدیث میں ایسی عورت کو نبی ﷺ نے بہترین عورت قرار دیا ہے۔

سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ». قَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى .

([صحيح] صحيح بخاری، كتاب الأدب، باب فضل من يعول يتيما: 6005-سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب باب في من ضم اليتيم: 5150-سنن ترمذی، أبواب البروالصلة، باب ما جاء في رحمة اليتيم وكفالته:1918)

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنّت میں ان دو (انگلیوں) کی طرح (ایک ساتھ اکٹھے) ہوں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ (اشارہ کرکے) فرمایا۔“

یعنی جس طرح انگشتِ شہادت اور درمیان والی انگلی باہم ملی ہوئی ہیں اور ان میں کوئی فاصلہ نہیں ہے اسی طرح یتیم کی کفالت کرنے والا شخص رسولِ مکرم ﷺ کے بالکل ساتھ ہوگا۔

سیدہ اُمِ سعید رضی اللہ عنہا اپنے باپ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ.» وَأَشَارَ سُفْيَانُ بِإِصْبَعَيْهِ. ([صحيح] السنن الكبرى للبيهقي: 283/6 -الأدب المفرد للبخاري:133-سلسلة الأحاديث الصحيحة:800)

”میں اور اپنے یا کسی غیر کے یتیم کی کفالت کرنے والا جنّت میں ان دو (انگلیوں) کی طرح ہوں گے۔ سفیانؒ نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے اپنی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا۔“

یعنی کفالتِ یتیم کا یہ اجر وثواب اپنے کسی عزیز بچے کی کفالت کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ وہ یتیم اگر کسی اور کا بھی ہو تو اس کی کفالت میں بھی اسی قدر اجر ملے گا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى يَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ كَهَذَيْ.» وَضَمَّ إِصْبَعَيْهِ.

([صحيح] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الإحسان إلى البنات: 2631-سنن ترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في النفقة على البنات والأخوات: 1914)

”جس شخص نے اپنی دو بچیوں کی ان کے جوان ہونے تک کفالت کی، وہ روزِ قیامت یوں آئے گا کہ وہ اور میں ان دو (انگلیوں) کی طرح ہوں گے۔ آپ ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے اپنی دو انگلیوں کو ملایا۔“

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، فَأَطْعَمَهُنَّ، وَسَقَاهُنَّ، وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا.»

([صحيح] سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب بر الوالد والإحسان إلى البنات: 3669- الأدب المفرد للبخاری: 76-سلسلة الأحاديث الصحيحة:294)

”جس کی 3 بیٹیاں ہوں اور وہ ان پہ صبر کرے اور جو کچھ میسر ہو اس میں سے انہیں کھلائے پلائے اور (لباس) پہنائے، تو وہ (روزِ قیامت) اس کے لیے (عذاب سے) آڑ بن جائیں گی۔“

جس شخص کی دو یا تین بچیاں ہوں وہ ان کی اچھی طرح کفالت کرے، ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرے اور دیگر حقوق بھی بہ خوبی ادا کرے تو وہ بھی نبی ﷺ کا ساتھ پائے گا اور وہ بچیاں اس کے لیے جہنّم سے آڑ بن جائیں گی یعنی اس عمل کے بہ دولت اللہ تعالیٰ اسے جہنّم سے بچالیں گے۔



فضل الرحمن حقانی، خطیب و امام محمدی مسجد نیلسن یو کے

حدیث نمبر:23

طہارت کی کتاب: مذی وغیرہ کا بیان میں

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً، فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ لِمَكَانِ ابنته مِنِّي، فَأَمَرْتُ المِقْدَادَ بْنِ الأَسْوَدِ، فَسألهُ، فَقَالَ: «يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ»

وللبخاري: «اغْسِل ذَكَرَكَ وتَوَضَّأْ»

ولمسلم: «تَوَضَّأْ وَانْضَحْ فَرْجَكَ»

(رواه البخاری، کتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه، برقم 269، واللفظ له، ومسلم، كتاب الحيض، باب المذي، برقم 303)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بہت زیادہ مذی والا شخص تھا، میں شرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھوں ان کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے میرے ساتھ رشتے کی وجہ سے میں نے سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ اس نے آپ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ اپنی شرم گاہ دھولے اور وضو کرے۔"

صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں: "اپنی شرم گاہ دھولو اور وضو کرو۔"

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

"وضو کر اور اپنی شرم گاہ پر پانی کے چھینٹے مار۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

نوٹ: صحیح بخاری کی روایت میں «تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ» وضو کر اور ذکر (شرم گاہ) کو دھولے، کے الفاظ ہیں یعنی اس باب کی حدیث میں جو ترتیب الفاظ ہیں، صحیح بخاری میں اس کے الٹ ہیں لیکن یاد رہے کہ واؤ ترتیب کے لئے لازم نہیں ہے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ (سورۃ النحل:78)

اس سے یہ قطعاً مراد نہیں کہ ماں کے بطن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نکالا پھر بعد میں کان آنکھیں اور دل بنائے بلکہ یہ سب کچھ رحم مادر میں بنا کر باہر نکالا ہے۔ اس لئے واؤ میں ترتیب لازم نہیں ہوتی، البتہ یہ ترتیب کے لیے آتی ہے مگر ہمیشہ کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے۔ لہٰذا پہلے شرم گاہ دھوئے بعد میں وضو کرے۔

حدیث مبارکہ کے بعض لفظی معانی

1۔ مَذَّاءً: زیادہ مذی والا۔

2۔ وَانْضَحْ فَرْجَكَ: اپنی شرم گاہ پر چھینٹے مارو۔ اپنی شرم گاہ کو دھو۔

3۔ يَغْسِلُ: وہ دھوتا ہے یا وہ دھولے۔

4: فَاسْتَحْيَيْتُ: میں شرمایا۔

5: مَذْيٌ: وہ رقیق مادہ جو طبیعت شہوانی میں ہیجان پیدا ہونے کی وجہ سے شرم گاہ سے خارج ہوتا ہے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل

1۔ مذی نواقض الوضوء میں سے ہے یعنی اس کے خارج ہونے کی صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو سبیلین سے نکلے ناقض الوضو یعنی وضو کو توڑنے والی ہے۔

2۔ مذی خارج ہونے کی صورت میں شرم گاہ کو دھو کر وضو کیا جائے، غسل ضروری نہیں۔

3۔ شرم و حیا ایمان ہے، بعض صورتوں میں بعض مسائل اشارے کنائے سے پوچھنا یا بالواسطہ پوچھنا مستحب ہے۔

4۔ ایسی چیز جس کا نظر آنا ناپسندیدہ ہو اس کو دھونے کا حکم۔

جمہور اہل علم اس سے مذی کے نجس ہونے کا کہتے ہیں۔

5۔ جب تک مسئلہ کے حل صحیح معلوم نہ ہو تب تک اجتہاد کرنا۔ جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے غسل کی صورت میں کیا۔

6۔ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں اہل علم سے مسئلہ پوچھنا۔

7۔ انسانی طبیعت میں شہوت کی کثرت کا ہونا معیوب نہیں ہے۔

حدیث نمبر 24

طہارت کی کتاب: مذی وغیرہ کا بیان

عَنْ عَبَّادِ بنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ زَيد بنِ عَاصِمٍ المَازِنِي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: شُكِيَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ اَلرَّجُلُ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «لَا يَنْصرفْ حَتّى يَسْمَعَ صَوْتاً أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»

(رواه البخاري، كتاب الوضوء، باب من لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن، برقم 137، ومسلم، كتاب الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شك في الحدث، فله أن يصلي بطهارته تلك، برقم 361، واللفظ)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا عباد بن تمیم نے سیدنا عبد اللہ بن زید بن عاصم مازنی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی گئی کہ ایک شخص کو خیال آتا ہے کہ وہ نماز کے دوران کچھ محسوس کرتا ہے (یعنی کہ ہوا وغیرہ خارج ہوئی ہے)۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم میں سے کوئی ایک نہ پھرے (یعنی نماز نہ توڑے) یہاں تک کہ وہ آواز سنے یا بد بو محسوس کرے۔“

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1۔شُكِيَ: شکایت کی گئی۔

2۔يُخَيَّلُ إِلَيْهِ: اسے خیال آتا ہے۔

3۔يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ: وہ نماز میں کوئی چیز پاتا ہے یعنی اسے پیٹ سے ہوا خارج ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

4۔لَا يَنْصرِفْ: نہ پلٹے نہ پھرے۔

5۔ صَوْتاً: آواز۔

6۔رِيْـحًا: ہوا۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل

1۔ محض شک کی نبیاد پر احکام لاگو نہیں ہوتے ہیں، کسی پر کوئی حکم لگانے کے لیے یقین کا ہونا ضروری ہے۔

2۔شک کی بنیاد پر نہ وضوء ٹوٹتا ہے اور نہ نماز باطل ہوتی ہے۔

3۔بلا سبب نماز کو توڑنا شرعا ممنوع ہے۔

4۔دبر و قبل سے ہوا خارج ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے ہوا خواہ آواز سے خارج ہو یا بغیر آواز سے۔

6۔ آواز یا بو پیٹ سے ہوا خارج ہونے کی علامتیں ہیں۔

6۔وضو ٹوٹنے میں مذی کا حکم دبر یا قبل سے ہوا وغیرہ خارج ہونے کے برابر ہے۔

7۔ سبیلین یعنی دبر و قبل سے کچھ بھی خارج ہو، وضو ٹوٹ جاتا ہے، البتہ منی و احتلام کی صورت میں غسل فرض ہوگا۔

☆☆☆

ولی صفت نوجوان

خضر رسول ہارٹ اٹیک سے چل بسے

نیک و صالح نوجوان جو ہمیشہ مسجد میں امام کے پیچھے پہلی صف میں نماز پڑھنے والے نوجوان برادر خضر رسول 36 سال کی عمر میں اچانک ہارٹ اٹیک سے وفات پاگئے۔إنا لله وإنا إليه راجعون

ہمیشہ ہنس مکھ چہرہ سے ملنے والے اور ماں کے خدمت گار، ہر ایک کی مدد کرنے والے اچانک داغ مفارقت دے گئے۔ اس پر والدین، بھائی، بہن، اقارب واحباب سب حیران و پریشان ہیں اور سب کی زبانوں پر اس نوجوان کے لیے دعائیں ہیں، جامع مسجد کونسن کراس ڈوُلی میں ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور مسجد سے قریبی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، جس میں ریکارڈ حاضری تھی، نماز جنازہ سے قبل ڈاکٹر ثاقب نے کہا کہ ایک غم بھولے نہیں ہیں، پھر ایک نیا غم آن پڑتا ہے، یا اللہ! ہمیں غموں سے اور دکھوں سے بچائے رکھ، اس موقع پر برادر خضر کی والدہ محترمہ ہمشیرہ صاحبہ اور برادر کامران وغیرہ نے مسجد کو ڈونیشن دیا، اللہ کریم قبول فرمائے۔ آمین

جنازہ میں بہت سے اقارب واحباب نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ مولانا اثری نے بھی خطاب کیا اور آخرت کی تیاری کرنے کی تلقین کی۔

دعا ہے کہ اللہ کریم اس نوجوان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل بخشے۔ آمین

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”اے ابن آدم!

تمہیں تنہا موت آئے گی۔ تم تنہا اٹھائے جاؤ گے۔ تم تنہا اپنے اعمال کا حساب دو گے۔

اے ابن آدم!

اگر پوری انسانیت نیک و صالح اور اللہ کی مطیع و فرمان ہو جائے۔ اور تم نافرمان بنے رہو، تو پوری انسانیت کی فرمانبرداری تمہارے کسی کام نہ آئے گی۔

اور اگر پوری انسانیت نافرمان ہو، اور تم اللہ کی اطاعت پر قائم رہو تو پوری انسانیت کی نافرمانی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔

اے ابن آدم!

تمہارا دین تمہارا دین ہے، یہی تمہارا جسم و جان ہے۔ اگر تمھارا دین سلامت ہے۔ تو تمہارا جسم و جان سلامت ہے۔

(زہد از امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ: ص 23)

☆☆☆

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جس نے اللہ کی عبادت محض اللہ سے محبت کی بنا پر کی تو وہ زندیق ہے۔

اور جس نے خوف کی بنا پر اللہ کی عبادت کی تو وہ خارجی ہے۔

اور جس نے محض رحمت کی امید پر اللہ کی عبادت کی تو وہ مرجئی ہے۔

اور جس نے اللہ کی محبت، خوف اور امید کے ساتھ اللہ کی عبادت کی تو وہی مومن اور موحد ہے۔“

(مجموع الفتاوی: 21/15)

☆☆☆



کاکا محمد عمر رحمہ اللہ
(مؤسس جامعہ دارالسلام عمرآباد جنوبی ہند)

(اس مضمون کی تیاری میں مولانا حبیب الرحمن اعظمی عمری کی کتاب "چمن جامعہ کے باغبان"، ڈاکٹر محمد اسلم شاد عمری کا PH.D کا مقالہ جو "نقوش جامعہ" کے نام سے چھپ چکا ہے اور علامہ حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی ﷫ کے مضامین، مولانا سرمدی عمر کے مقالہ مطبوعہ صحیفہ عمرآباد کے 1977ء اور ڈاکٹر سمیہ بانو بنت حضرت مولانا ابوالبیان حماد عمری (بنگلور) کے مضمون سے استفادہ کیا گیا ہے۔)

یہ جامعہ اپنا فخر زمن، یہ نازش ملک وشان وطن
یہ گل کدۂ شاداب دکن، یہ ہند کے دل کی ہے دھڑکن!

عمرآباد نامی جنوبی ہند صوبۂ ٹاملناڈو میں واقع ایک چھوٹا سا قریہ ہے جس میں جامعہ دارالسلام کے قیام کے بعد سو سال کا عرصہ بیت چکا ہے، اس کے فارغین ساری دنیا میں پھیل چکے ہیں اور دین وملت کی خدمات انجام دے رہے ہیں، تو ایسے موقع پر نئی نسل کو مؤسس جامعہ دارالسلام عمرآباد سے روشناس کرانے کے لیے اس موضوع پر اظہار خیال کی ضرورت محسوس ہوئی، کاکا محمد عمر کی ولادت 1864ء کو بتراپی مقام میں ہوئی جو گڑھ آمبور سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جنوبی ہند کے شمالی آرکاٹ (North Arqt) میں ایک مشہور تجارتی شہر آمبور ہے اس کے جانب شمال آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک تاریخی علاقہ گڑھ آمبور سے مشہور ہے۔ گڑھ آمبور علم دین سے مردم علاقہ تھا، صرف چند رسومات تھے جن پر وہاں کے لوگ عمل کرتے تھے۔ آج سے 300 سال قبل یہاں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوئی اور اس جنگ میں نواب انور الدین خاں اور ان کے سپہ سالار محمد نجیب کی شہادت ہوئی تھی، جن کی قبر میں گڑھ آمبور کی تاریخی مسجد کے سایے میں آج بھی موجود ہیں۔ اگرچیکہ وہ انگریزوں کی طرف تھے، ان کے بعد ان کے بیٹے وہاں کے سربراہ ہوئے آج بھی پہاڑ کے دامن میں است قلعہ کی ٹوٹی ہوئی دیواروں کے آثار موجود ہیں، اس علاقہ میں کاکا بہاؤالدین رہتے تھے اور وہاں ایک مسجد ہے جس پر 1120 ہجری تاریخ لکھی ہے۔ لیکن 300 سال قبل بنائی گئی وہ مسجد ابھی تک مضبوط اور آباد ہے، کاکا بہاؤ الدین کے گھر ایک بچے کی ولادت ہوئی جس کا نام کاکا عمر رکھا گیا، ان کی ولادت ان کے ننھیال بتراپی میں ہوئی ان کا ننھیال بھی کاکا خاندان سے تھا۔ کاکا نیک آدمی کو کہتے تھے ممکن ہے ملیبار سے یہ خاندان یہاں منتقل ہوا ہو، کاکا کے معنی بھائی کے بھی ہیں، ان علاقوں میں مقیم لوگوں کو لبّے کہتے ہیں، لبّے یہ لبیب کی بگڑی ہوئی شکل ہو سکتی ہے، عقلمند لوگوں کو لبّے کہتے ہیں! کاکا محمد عمر کی پرورش اور نشوونما گڑھ آمبور میں ہوئی! کاکا محمد عمر نے دین اور دنیا کی بنیادی اور ضروری تعلیم حاصل کی اور تجارت میں لگ گئے، ان کے والد بھی تاجر تھے اور یہ بھی تاجر ہو گئے! کاکا محمد عمر نے تجارت میں بڑا نام کمایا، انہوں نے 18 سال کی عمر میں بھوپال کا سفر کیا اور جہاں بھی جاتے کاروبار کے ساتھ ساتھ وہاں کے علمائے کرام سے ملاقات کرتے اور ان سے علمی استفادہ کرتے اور وہاں کے دینی حالات کا جائزہ لیتے تھے! بھوپال میں مولانا نواب صدیق حسن خان سے ملاقات کی، دہلی گئے تو شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دہلوی سے فیض حاصل کیا، سر سید احمد خان، مولانا بشیر احمد سہسوائی، مولانا سلامت اللہ جیرانپوری اور پنجاب میں جناب غلام قصوری سے فیض حاصل کیا، امرتسر میں مولانا عبد اللہ غزنوی کے فرزند مولانا عبد الجبار غزنوی اور ان کے مدرسہ سے بہت متاثر ہوئے۔ تقریبا 12 سال مختلف اسفار میں ان کے دروس میں شریک رہے! کاکا عمر باقاعدہ کسی جامعہ سے فارغ نہیں تھے۔ مگر علماء کی صحبت سے انہوں نے خوب استفادہ کیا، کاکا محمد عمر مسلمانوں کے افتراق وانتشار سے بہت ہی نالاں تھے، اہل حدیث اور احناف میں منافرت تھی، کاکا عمر چاہتے تھے کہ ایک ایسے جامعہ کا قیام عمل میں لائیں جس میں بھی مسالک کے طلباء آکر پڑھیں اور تمام مسالک کے اساتذہ ان کو تعلیم دیں، اسی سلسلہ میں مولانا فقیر اللہ پنجابی، مدراسی، بنگلوری بقول مولانا اسحاق بھٹی وہ بھی بنگلور آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ یہ بڑے سلفی عالم تھے، ان کا عمران سے بھی بہت متاثر ہوئے، چنانچہ اپنے اس عزم کو ظاہر کرنے کے لیے کاکا عمر نے اپنی روشن کمپنی جو مدارس میں تھی وہاں ایک میٹنگ کی جس میں انہوں نے کھل کر اپنے عزم کا اظہار کیا، اس سلسلہ میں آپ نے استخارہ کیا، آپ کے خطاب کا خلاصہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی عمری "چمن جامعہ کے باغبان" اور مولانا اسلم شاد عمری "نقوش جامعہ" میں موجود ہے ان میں آپ کے خطاب کا خلاصہ یوں ہے:

"میری عمر کا ایک بڑا حصہ محض دنیوی کاروبار میں صرف ہوا اور مجھ سے کوئی کام "حسنات جاریہ" کا نہیں ہو سکا۔ یہ محض میری غفلت تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے بے انتہا دنیوی نعمتوں سے مجھے مالا مال کیا، جس کا شکریہ کی طرح مجھ ذرۂ ناچیز سے ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر ایک عرصے سے میرا دل مجھ کو ابھار رہا ہے کہ کچھ نہ کچھ شکریہ بطور "حسناتِ جاریہ" دنیا میں ادا کروں۔ بڑے غور وفکر کے بعد شرعی ہدایات کی روشنی میں ایک دینی درس گاہ کا قیام میرے شعور میں بیدار ہوا۔

اسلامی تاریخ اور علمائے کرام کی ہدایتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحیح مذہبی تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے کہ وہ جس قدر عام ہو گی، اسی قدر مذہب کو ترقی اور مسلمانوں کو عروج حاصل ہو گا اور اس کے برکس دینی تعلیم جس قدر کم ہو گی اسی قدر مسلمان ادبار و تنزل سے دوچار ہوں گے۔ بے علمی کی وجہ سے دنیائے اسلام میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ عبادات، مذہبی معاشرت، حسن اخلاق اور حسن خاتمہ ان سب باتوں کی اصل صحیح مذہبی تعلیم ہے، جس کا اِجرا ہر شہر اور ہر قریے میں بے حد ضروری ہے۔ یہ بھی ایک طرح سے اشاعت اسلام کا مستحسن اور نفع بخش ذریعہ ہے۔

وہ صرف ایک مدرسہ کا قیام عمل میں لانا نہیں چاہتے تھے اس لئے کہ اس وقت برصغیر میں ہزاروں مدارس و جامعات اور دار العلوم موجود تھے بلکہ ایک منفرد مدرسہ جس میں ہر مکتب فکر کے طلباء پڑھیں اور ہر کتب فکر کے اساتذہ پڑھائیں ان کا مقصد تھا!

مدراس میں "روشن کمپنی" کے نام سے چرم کی ایک کمپنی تھی جناب کاکا محمد عمر اس کمپنی کے شراکت دار تھے اس کے بڑے بڑے 27 کارخانے تھے اور 64 اس کے برانچز تھے، کاکا محمد عمر نہ صرف اس شراکت دار تھے، بلکہ 10 سال تک 1917ء سے 1927ء تک اس کے نائب صدر رہے، پوری دنیا میں یہ کمپنی مشہور تھی اور ساری دنیا میں ان کا مال سپلائی ہوتا تھا، برصغیر کے مشہور صوبوں کے علاوہ سنگاپور، انڈونیشیا، جاپان میں تو اس کا مرکزی آفس تھا، اللہ پاک نے آپ کو بہت مال عطا فرمایا تھا، گڑھا آمبور سے متصل دو پہاڑوں کے درمیان بہت ہی وسیع زمین خریدی اور یہاں اپنا گھر اور مسجد کی تعمیر کی اور وہاں اپنوں کو غیروں کو ہندو مسلمان کو یاد کیا جو زمین نہیں خرید سکتے تھے ان کو مفت زمین دی اور جو مکان نہیں بنا سکتے تھے، ان کی مالی مدد کی اس علاقہ کو صاف کیا اس کو آباد کیا، چنانچہ یہ علاقہ ان کے نام سے "عمر آباد" مشہور ہوا، مولانا سید سلیمان ندوی نے 1938ء کے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں یوں رقمطراز ہیں:

"چوتھا سفر اکتوبر 1937ء میں جامعہ کے جلسۂ تقسیم اسناد کی مناسبت سے کیا، جس میں سید صاحب بحیثیت صدر مدعو تھے۔ جامعہ کی ترقی پر خوش ہوتے ہوئے ڈوب کر لکھتے ہیں:

"اکتوبر کے اخیر میں مجھے 9 یا 10 برس کے بعد ہندوستان کے اس دور دراز صوبے میں جانے کا اتفاق ہوا، جس کو مجھ سے اور مجھ کو اس سے دلی اُنس ہے، یعنی مدارس۔ مدارس کے اس مقام میں جو آرکاٹ کے نام سے مشہور ہے، اور جو کبھی ایک اسلامی حکومت کا مرکز تھا، اور جس کے کھنڈروں میں اب بھی اسلامی جاہ و جلال کی یادگاریں ہیں، اب ایک نئی اسلامی حکومت کا آفتاب نکلنے والا ہے۔ مگر یہ آفتاب سیاست کا نہیں، بلکہ علم فن، کتاب و سنت اور اسلامی تبلیغ و تہذیب کا ہے، اور اس کا نام جامعہ دار السلام ہے۔

1927ء دسمبر میں کاکا محمد عمر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ مولانا سید صبغت اللہ بختیاری جامعہ کے اولین اساتذہ میں سے تھے وہ فرماتے ہیں کہ کاکا محمد اسماعیل 1958ء ان کا سن وفات ہے اور کاکا محمد عمر کے بڑے فرزند ہیں کہ لاکھوں روپوں کے کاروبار تھے مگر کاکا عمر نے اپنے بچوں کو اپنے کاروبار کے تعلق سے اتنا نہیں بتایا کہ ہر وقت مدرسہ کے متعلق سے تاکید کرتے رہے کہ اس کی فکر کریں، اساتذہ کرام کی قدر کریں چنانچہ انہوں نے 6 دسمبر 1924ء کو مدرسۂ لطیفیہ کے سجادہ نشین مولانا جلال الدین کی صدارت میں جلسہ منعقد کیا اور دوسرے دن کے 7 دسمبر 1924ء کو اپنے گھر کے ایک حصے میں تعلیم کا آغاز کر دیا اور ایک سال گزرنے کے بعد ماہ مارچ 1924 کو مدرسہ کا سالانہ امتحان رکھا اور امتحان کے لیے پورے ملک سے چنندہ علماء کو مدعو کیا اور خود بھی ان علماء کے ساتھ ساتھ رہے اور اس امتحان کے نتیجہ سے بہت خوش تھے، اور ان کامیاب ہونے والے طلباء کی دستار بندی کی، کاکا عمر نے اتنی کثیر الجھات مصروفیات کے باوجود 3 سال تک اپنی ڈائری لکھتے رہے جس سے ان کے نظریات و خیالات واضح ہوتے ہیں، آپ نے اپنے بچے کی شفایابی کے لیے حج کو بھیجنے کا ارادہ کر لیا تھا، اس سے آپ کے عقیدہ کی مضبوطی اور دولت کا اندازہ ہوتا ہے!

آپ کی ڈائری سے آپ کی تواضع، انکساری اور دینداری کا پتہ چلتا ہے!

کاکا بہاؤ الدین کے تین فرزند تھے: کاکا عمر، کاکا عبد المجید اور کاکا عبد الرزاق۔

کاکا محمد عمر کے تین فرزند تھے: کاکام اسماعیل، کاکا محمد ابراہیم اور کاکام محمد اسحاق!

جامعہ کا نصاب بنانے کے لیے کاکا اسماعیل نے مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید سلیمان ندوی وغیر ہم سے مشورہ کیا، آپ کے سب بچوں اور بچوں کے بچوں بلکہ کاکا فیملی میں جامعہ کا درد پایا جاتا تھا اور الحمد للہ اب تک کاکا فیملی میں جامعہ سے قلبی تعلق باقی ہے اور جامعہ کے مفاد کو اپنے ہر مفاد سے زیادہ اہم جانتے تھے اور ہیں۔

الحمد للہ! شاید بانی جامعہ کے اخلاص کا نتیجہ ہے! کاکا ابراہیم نے اپنے والد کے نام سے ایک خوبصورت باغیچہ میں ایک لائبریری "عمر لائبریری" کے نام سے بنائی جس میں اہم دینی، عربی، اردو، فارسی، ٹمل اور انگریزی کتابیں جمع کیں۔

کاکا محمد اسماعیل کے تین فرزند کاکا رشید احمد، کاکا محمد عمر ثانی اور کاکا سعید احمد العمری حفظہ اللہ، کاکا محمد عمر کے بعد جامعہ کی یہ ذمہ داری کاکا عبد الرزاق کے کاندھوں پر پڑی، کاکا محمد اسحاق میدان عرفات میں بہت زیادہ وقت دعا کرتے رہے، جب علامہ حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی نے ان سے کہا کہ اب جانا چاہیے تو انھوں نے کہا کہ مجھے دعا کر لینے دو، علامہ حافظ حفیظ الرحمن مدنی نے کہا کہ اب تک آپ دعا بھی کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ اب تک جامعہ دار السلام کے لیے دعا کرتا رہا، اب مجھے اپنے لیے دعا کرنا ہے!

اندازہ فرمایئے کہ کاکا خاندان کے ہر فرد کو جامعہ کی

کتنی فکر تھی اور ہے!

جامعہ دار السلام کے اصل مناصب تین ہیں: صدر، جنرل سکریڑی اور ناظم جامعہ! جامعہ کی تاسیس کے بعد 100 سال ہو چکے ہیں ان میں جامعہ کے صدور ہوئے ہیں، جنرل سیکریڑی صرف 4 ہیں اور ناظم صرف 10 ہیں، 100 سال کے عرصہ میں اتنے کم عہد یدار اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں اتفاق و اتحاد اور ڈسپلن تھا، اگر اس کے خلاف بات ہوتی تو پتہ نہیں کتنے صدور اور ناظمین ہوتے! جب جامعہ کا قیام عمل میں لایا گیا تو یہ علاقہ غیر ذی زرع (غیر آباد) تھا لیکن مؤسس جامعہ کو یقین تھا کہ اللہ کریم اس علاقہ کو آباد کرے گا، چنانچہ دنیا کے مختلف حصوں سے طلباء کی آمد بھی جاری ہے اور اساتذہ و مہمانوں کی آمد کا سلسلہ بھی جاری رہا اور ہے!

مسجد عبادالرحمٰن حیدرآباد دکن کے بانی جناب عبد اللہ بن عبد الرشید ہیں جو ہر وقت میرے تعاون کے لیے تیار رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور میرے والد مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے، جنہوں نے مجھے اس جامعہ میں پڑھنے کا موقع عنایت فرمایا۔

اللہ کریم مؤسس جامعہ حاجی محمد عمر کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اس کے پورے سلسلہ کو جنھوں نے اس کے لیے خون پسینہ بہایا، اللہ ان تمام کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور آج کل اس کے ذمہ داروں کو اللہ پاک بعافیت سلامت رکھے اور ان تمام کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اسی طرح اس جامعہ کے اساتذہ کرام اور طلبا کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور میری اہلیہ کو بھی جو نیک کاموں میں میرا تعاون کرتی ہیں اللہ انہیں اچھا بدلہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

اہلیہ کو بتا کر جانا بہتر ہے

اہلیہ کو یہ بتلانا مستحسن ہے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

"(سیدنا موسیٰ علیہ السلام) نے اپنے اہل خانہ سے کہا: ذرا ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے؛ شاید کہ تمہارے لیے ایک آدھ انگارا لے آؤں یا اس آگ پر مجھے (راستے کے متعلق) کوئی رہ نمائی مل جائے۔"

(سورۃ طہ:10)

☆☆☆

پیغام حق

اللہ کا پیغام زمانے کو سنا دو — حق سے جو محبت ہے تو باطل کو مٹا دو
قصرِ ستم وجور کی بنیاد ہلا دو — انصاف کا اک اونچا کلس جلد بنا دو
تم چاہو تو کھل جائیں گے اسرارِ دو عالم — آنکھوں سے مگر پہلے حجابات اٹھا دو
تن اُس کا ہے من اُس کا ہے اور مال بھی اُس کا — اللہ کے رستے میں ہر ایک چیز لٹا دو
دیکھو وہ قریب آ ہی گئی منزلِ مقصود — کافی ہے جو دو چار قدم اور بڑھا دو
ہے جن کا ارادہ کہ تمہیں کفر میں جھونکیں — تم ان کی تمناؤں کو مٹی میں ملا دو
خاکستر دل میں جو ہیں ایماں کے شرارے — تم برق صفت خرمنِ باطل کو جلا دو
آثارِ سحر پھر سے نمایاں ہیں اُفق پر — ہر شخص کو اب خوابِ تغافل سے جگا دو
گزری ہوئی قوموں نے شفا پائی ہے جس سے — اس دور کے اقوام کو بھی تم وہ دوا دو
ذریتِ ابلیس سے اب توڑ لو رشتہ — اللہ کے احکام پہ سر اپنا جھکا دو
پھر شورشِ تاتار کو دہرائے نہ تاریخ — اُبھرے کہیں فتنہ تو اُسے جلد دبا دو
طوفانِ حوادث میں جو انسان پھنسے ہیں — تم نوح کی مانند انہیں پار لگا دو
اللہ کے بندے جو ہیں اللہ سے غافل — حماد انہیں حق کا یہ پیغام سنا دو

حضرت ابوالبیان حماد العمری



16۔ دعوت دین کے بارے میں میرے خیالات وافکار

مجھے اپنی اس حیثیت کا پورا ادراک تھا کہ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے اگر نیروبی سے لندن میرا تبادلہ کیا ہے تو صرف ایک داعی اور معلم کی حیثیت سے کیا ہے اور ضمن میں گو دار الافتاء نے میری معاشی کفالت کا ذمہ لیا ہے لیکن اس ادارے کی طرف سے میرے محاسبے، میری نگرانی، میرے کام کے جائزے کے لیے کوئی پابندی یا روک ٹوک روا نہیں رکھی گئی ہے، گویا کہ میں ہوں اور میرا یہ احساس کہ میں اللہ کے سامنے اس کام کے لیے جوابدہ ہوں۔

یہی احساس اور شعور میرے لیے راہ عمل کے سنگ میل بناتے چلے گئے۔

مشرقی لندن کی مسجد سے جس درس قرآن کا آغاز ہوا تھا وہ پھر مسجد توحید، اسلام چینل اور دروس قرآن براہ مراسلت کی شکل میں آج تک جاری وساری ہے۔

'القرآن سوسائٹی' کے نام سے جس ادارے کو میں نے قائم کیا، اس میں اشاعتی دروس کے ساتھ بچوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی چلتا رہا کہ جو زیادہ تر میری اہلیہ امّ وہیب کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔

لندن کی سب سے بڑی جیل میں ہر ہفتہ، بروز جمعہ میری آمد، مسلم اور نَو مسلم قیدیوں سے خطاب اور ان کے سؤالات کے تسلی بخش جوابات اس کام کو ایک بین الاقوامی رخ دینے میں کامیاب رہے اور پھر مستزاد یہ کہ میں مختلف مساجد اور مراکز کی طرف سے مدعو کیا جاتا رہا، جہاں موقع محل کی مناسبت سے خطاب کا موقع ملتا رہا، لیکن سب سے بڑھ کر ان طلبہ وطالبات سے مخاطب ہونا تھا، جس کا موقع برطانیہ کے طول وعرض میں موجود سیکنڈری اسکولوں، ہائر ایجوکیشن کے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں سے وابستہ طلبہ کی انجمنوں کی طرف سے دعوت خطاب دیے جانے کی بنا پر ممکن ہو سکا تھا۔

اسی کی دہائی شروع ہو چکی تھی۔ جہاد افغانستان کا غلغلہ تھا۔ افغان پریس ایجنسی لندن کی طرف سے کئی مندوبین جن میں ڈاکٹر امان یار پیش پیش تھے، طلبہ کے سالانہ اجتماعات اور کانفرنسوں میں شرکت کی پوری کوشش کرتے بلکہ جہاد افغانستان کے علمبردار قائدین کو بھی وہاں خطاب کرنے کے مواقع فراہم کرتے۔

سعودی سفارت خانہ کے ساتھ تعاون کے آغاز ہی سے مجھے اس بات کا موقع ملا کہ میں میں مملکت متحدہ کے شال وجنوب اور مشرق ومغرب کی طنابیں، ناپتا رہوں، اصل مقصود اسلامی مراکز، مساجد اور تعلیمی اداروں کی ضروریات، ان کی تعمیری اور توسیعی منصوبوں سے تعارف حاصل کرنا تھا، تاکہ میری سفارشات کی روشنی میں وہ سعودی عرب سے مالی اعانت حاصل کر سکیں لیکن اس بادہ پیائی میں مجھے مساجد ومراکز کے حاضرین سے خطاب کرنے کا موقع بھی ملتا رہا جو میرے اسفار کے ٹائم ٹیبل کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے۔

میرے لیے اصل سوال یہ تھا کہ دعوت دین کے لیے کن موضوعات کا انتخاب کیا جائے؟

کون سے نقاط کو ترجیح حاصل ہو اور دعوت دین کے کن پہلوؤں کو خاص طور پر اجاگر کیا جائے۔

میری اپنی فکری ودعوتی ساخت پر وہ چھاپ غالب رہی جس کے تانے بانے ہمارے گھریلو ماحول سے جڑے ہوئے تھے۔

ہمارے گھر کے ماحول میں آباؤ واجداد کے مسلک اہل حدیث کی جھلک نمایاں تھی۔ ہم نے اپنے گھر میں سوائے عید بقر عید کے کسی اور تہوار کو مناتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی کسی میلے ٹھیلے میں جانے کا دستور تھا۔ لڑکپن اور مراہقت (Teen Age) کے پندرہ سال کا عرصہ ابا جان کے جماعت اسلامی سے وابستہ ہونے کی بنا پر جماعت ہی کے رسائل وجرائد میں چند ہلکے پھلکے مضامین کا مطالعہ کرنے، جماعتی سرگرمیوں کو قریب سے دیکھنے اور جماعتی احباب کے

سعودی سفارت خانہ کے ساتھ تعاون کے آغاز ہی سے مجھے اس بات کا موقع ملا کہ میں میں مملکت متحدہ کے شال وجنوب اور مشرق ومغرب کی طنابیں، ناپتا رہوں، اصل مقصود اسلامی مراکز، مساجد اور تعلیمی اداروں کی ضروریات، ان کی تعمیری اور توسیعی منصوبوں سے تعارف حاصل کرنا تھا، تاکہ میری سفارشات کی روشنی میں وہ سعودی عرب سے مالی اعانت حاصل کر سکیں لیکن اس بادہ پیائی میں مجھے مساجد ومراکز کے حاضرین سے خطاب کرنے کا موقع بھی ملتا رہا جو میرے اسفار کے ٹائم ٹیبل کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے۔

محدود حلقے تک آنے جانے میں گزرا۔

1957ء (بعمر 15 سال) میرا میٹرک کا سال ہے، اسی سال والد مکرم جماعت سے مستعفی ہو کر لائل پور (حالیہ فیصل آباد) میں مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف کے قائم کردہ جامعہ تعلیمات اسلامی کی نگہداشت اور پرداخت کے لیے منتقل ہو چکے تھے۔ اگلے پانچ سال والد محترم سے ذاتی تلمذ اور شہر کے تین مقتدر اداروں (گورنمنٹ کالج، جامعہ سلفیہ، دار القرآن والحدیث) سے استفادہ کرنے میں گزرے اور اس دوران میں عربی کی اتنی تحصیل کر چکا تھا کہ پنجاب بورڈ کے عالم عربی اور فاضل عربی کے امتحانات میں اول پوزیشن سے کامیاب ہو سکوں اور پھر عربی سے یہی شغف مجھ سے عربی کی دو کتب کا اردو ترجمہ کرواتا گیا۔

ایک تو مصر کے شیخ حسن البناء کی 'مذکرات الدعوۃ والداعیہ' جس کی ابتدائی اقساط بعنوان 'حسن البناء کی ڈائری' ہفتہ وار 'المنبر' میں شائع ہوتی رہیں لیکن جریدۃ 'المنبر' کے دفاتر کے منتقلی کی بنا پر غالباً یہ مسودہ ضائع ہو گیا اور روشنی طبع سے محروم رہا۔

دوسری کتاب مصر ہی کے استاذ البہی الخولی کی کتاب 'تذکرۃ الدعاۃ' تھی، گویا دونوں کتابیں دعوت سے متعلق تھیں اور میرے مستقبل کے راہِ عمل کو متعین کر رہی تھیں اور پھر مجھے چند ماہ ڈاکٹر اسرار احمد کی خواہش پر منٹگمری (حالیہ ساہیوال) میں ان کے قائم کردہ 'قرآن ہاسٹل' میں گزارنے کا موقع ملا جہاں ہاسٹل میں مقیم چند طلبہ کو عربی پڑھانے پر مامور تھا۔ یہ طلبہ دن کے اوقات میں گورنمنٹ کالج کا رخ کرتے اور شام کے اوقات میں میری موجودگی سے فائدہ اٹھاتے اور انہی طلبہ میں ڈاکٹر صاحب کے برادر خورد ابصار (یعنی ڈاکٹر ابصار احمد) بھی شامل تھے، میں خود بی اے (انگریزی) کی تیاری بھی کر رہا تھا اور پھر بی اے کا امتحان بھی گورنمنٹ کالج کی امتحان گاہ میں دیا۔ یہاں جماعتی فکر کو ڈاکٹر اسرار احمد کے بیعت پر قائم خلافتی نظریے میں ڈھلتے دیکھا۔ فکر اصلاحی سے بھی تعارف ہوا اور ان کی کتاب 'دعوت دین اور اس کا طریق کار' میری پسندیدہ کتب میں شامل رہی۔

جولائی 1962ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جانا ہوا اور وہاں کے چار سالہ قیام نے سلفیت کی ان بنیادوں کو پختہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا کہ جو ہمارے گھرانے کی اصل پہچان تھی۔ میری یہ خوش قسمتی تھی کہ مدینہ منورہ میں اس وقت کے قابل ترین اور مقتدر اساتذہ کی رہنمائی حاصل رہی۔

مساجد میں خطاب کرنے کا سلیقہ ہمارے ایک استاد عبد الوہاب البناء (مصری) کا مرہون منّت ہے کہ عمرہ وحج کے اسفار میں ان کی صحبت نصیب ہوتی رہی، وہ ہم چند طلبہ کو مکہ اور اطراف مکہ کی مساجد میں عربی زبان میں خطاب دلواتے، مجھے آج بھی مسجد جنّ میں خطاب کرنا یاد ہے۔ دوسرے شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کے دروس وخطابات جنہوں نے میری سلفیت کو مزید پختہ کیا۔ خود شیخ ابن باز اور عقیدۃ کے استاذ شیخ عبد المحسن حمد العباد، حدیث کے استاذ عبد القادر شیبہ الحمد، توحید کے مباحث کو ہر لیکچر اور خطاب میں نکھارتے رہے۔ شیخ محمد امین الشنقیطی اور شیخ محمد ابراہیم شقرۃ فقہی مسائل میں توسع اور کشادگی کی راہیں دکھاتے رہے، شیخ محمد المجذوب اور شیخ محمد الراوی کے دروس میں اسلام کی عالمیت، اور عالم اسلام کی اسلامی تحریکات کا عکس نظر آتا تھا۔

میں جامعہ کے عرصہ تلمذ کو ایک اساس سمجھتا ہوں لیکن اس اساس پر مسلسل مطالعے کی بنا ہی پر خیالات وافکار کی ایک مستقل تعمیر بنانا ممکن تھی، جس کا موقع کچھ نیروبی کے نو سالہ قیام میں اور زیادہ تر لندن کی اقامت میں میسر آسکا۔

لندن میں دروس قرآن اور جامعات ومراکز میں تقاریر اور لیکچرز کی تیاری میں تفسیر وحدیث اور دیگر دینی کتب کثرت سے مطالعے میں رہیں۔

گو میری ذاتی لائبریری میں بہت سی اردو اور عربی تفاسیر موجود ہیں لیکن بعض کتب کا میں نے بڑے شغف سے مطالعہ کیا ہے جن میں تفسیر ابن کثیر اور تدبر قرآن سرفہرست ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی کے کئی نظریات اور کئی آراء سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن نظم قرآن سے متعلق ان کے مباحث قارئ کی بہت سی الجھنوں کو دور کر دیتے ہیں، پھر اپنے استاد شیخ محمد امین الشنقیطی کی 'اضواء البیان' مولانا مودودی کی 'تفہیم القرآن' تفسیر قرطبی اور محمد طاہر بن عاشور کی 'التحریر والتنویر' ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد کی ترجمان القرآن میری لائبریری کی زینت رہی۔ ذوالقرنین کی شخصیت کے

مساجد میں خطاب کرنے کا سلیقہ ہمارے ایک استاد عبد الوہاب البناء (مصری) کا مرہون منّت ہے کہ عمرہ وحج کے اسفار میں ان کی صحبت نصیب ہوتی رہی، وہ ہم چند طلبہ کو مکہ اور اطراف مکہ کی مساجد میں عربی زبان میں خطاب دلواتے، مجھے آج بھی مسجد جنّ میں خطاب کرنا یاد ہے۔ دوسرے شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کے دروس وخطابات جنہوں نے میری سلفیت کو مزید پختہ کیا۔ خود شیخ ابن باز اور عقیدۃ کے استاذ شیخ عبد المحسن حمد العباد، حدیث کے استاد عبد القادر شیبہ الحمد، توحید کے مباحث کو ہر لیکچر اور خطاب میں نکھارتے رہے۔ شیخ محمد امین الشنقیطی اور شیخ محمد ابراہیم شقرۃ فقہی مسائل میں توسع اور کشادگی کی راہیں دکھاتے رہے، شیخ محمد المجذوب اور شیخ محمد الراوی کے دروس میں اسلام کی عالمیت، اور عالم اسلام کی اسلامی تحریکات کا عکس نظر آتا تھا۔

بارے میں مولانا کی تحقیق آج تک میرے لیے حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے، گو کئی متعدد آراء بھی پڑھ چکا ہوں لیکن ان پر دلی اطمینان نہیں ہو سکا۔

عبد اللہ یوسف علی کے ترجمہ معانی قرآن اور ان کے 6310 حواشی کو بھی حرفاً حرفاً پڑھا ہے اور وہ ایک دوسری مناسبت سے تھا جس کا تذکرہ اپنے وقت پر آ جائے گا۔

حدیث کی شروح میں ابن حجر کی فتح الباری شرح صحیح البخاری ایک مرجع کی حیثیت سے گاہے گاہے زیر مطالعہ رہی لیکن مسجد توحید میں صحیح مسلم کے ہفتہ وار دروس نے امام شرف الدین یحییٰ النووی کی شرح صحیح مسلم کو بالاستیعاب پڑھنے کا موقع فراہم کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ آغاز میں جماعت کا فکر نفاذ اسلام کہ جس میں موجودہ جمہوریت کا سہارا لیا گیا تھا، دل ودماغ پر حاوی رہا اور پھر اس فکر کی اصلاح ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریہ خلافت سے ہوئی جس میں بیعت امیر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور پھر شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ کی ابحاث نے یہ گرہ لگائی کہ امت مسلمہ کی غایت عبادت الٰہی ہے، اس کا مقصد وجود دین اسلام کی سچی گواہی ہے، اس کا منہج قرآن وحدیث کی تعلیمات ہیں۔ خلافت ارضی بطور انعام حاصل ہوتی ہے کہ جسکا اولین مظہر خود خلافت راشدہ ہے اور پھر اسی منہج کا اتباع ایک دن پھر صحیح اسلامی خلافت کے پھریرے بلند کرنے میں کامیاب رہے گا۔

برطانیہ میں میری دعوت کا محور یہی موضوع رہا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے کتابچے مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کا عربی ترجمہ میں نیروبی کے قیام کے دوران ہی کر چکا تھا اور اس موضوع کو میں نے مزید نکھارنے کی کوشش جاری رکھی۔ سورۃ العصر، سورۃ التکاثر اور کئی متعدد سورتوں پر والد محترم کے دروس میرے مشعل راہ رہے، عبد الکریم زیدان (عراقی) کی "السنن الالٰہیہ" میری پسندیدہ کتب میں سے ہے جس کے موضوعات میرے خطابات جمعہ اور تقاریر کا محور رہے ہیں۔ شیخ متولی الشعراوی کے علمی نکات سے میں نے استفادہ کیا ہے لیکن عقائد کے باب میں ان کی اشعریت سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

برطانیہ کی جامعات اور مراکز اسلامیہ میں تقاریر اور خطابات کے ضمن میں میرے یہ پسندیدہ موضوعات رہے:

- امت مسلمہ کا مقصد اور غایت
- غیر مسلموں کو دعوت کیسے دی جائے
- مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
- سورۃ الحجرات کی شرح و تفسیر
- تزکیۃ النفس
- روح کا سفر (اس موضوع پر میرا انگریزی میں کتابچہ بھی ہے)
- الحیاۃ بعد الممات
- قرآن کا تعارف
- حدیث کا تعارف
- برطانیہ میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ
- قرآن کے اعجاز کے مختلف پہلو
- اولاد کی تربیت کیسے کی جائے؟
- قیامت کی چھوٹی اور بڑی نشانیاں

یہ چند موضوعات بر سبیل تعارف لکھ دیے ہیں، مرور زمانہ کے ساتھ موضوعات کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائیں۔

1400-17ھ کی چیدہ چیدہ یادیں اور واقعات

سال 1400 ہجری جو نومبر 1979ء سے لے کر اکتوبر 1980ء تک محیط ہے، اس سے متعلق واقعات اور یادیں میری ایک ہی ڈائری میں محفوظ ہیں۔

خیال آیا کہ کیوں نہ میں ان واقعات اور ان یادوں کو مختصراً رقم کرتا جاؤں اور پھر اس کے بعد وہ حکایات حسب سابق درج کرتا چلوں جو میں تفصیلاً ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

☆ 21 نومبر 1979ء: یہ 2 محرم 1400 ہجری کی تاریخ تھی کہ جس دن حرم مکی میں عبد اللہ قحطانی اور اس کے ساتھی جہیمان نے دیگر افراد کے ساتھ عبد اللہ قحطانی کے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ عسکری انداز میں قلعہ بند ہونے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی اور پھر 2 ہفتے کے محاصرے کے بعد یہ تحریک قتل وغارت پر ختم ہوئی۔

☆ 30 دسمبر 1979ء: میری دعوت پر فکر اہل حدیث سے وابستہ آٹھ افراد کا اجتماع ہوا جس میں تین احباب ووکنگ سے تشریف لائے تھے اور یوں لندن جمعیت اہل حدیث کا قیام عمل میں آیا جس کی برکات میں سے مسجد توحید لندن کا قائم ہونا ہے۔

☆ جنوری 1980ء: میجر محمد اسلم مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد امریکہ جاتے ہوئے کچھ دنوں کے لیے لندن تشریف لائے، ان سے تفصیلی ملاقات رہی۔ پھر وہ امریکہ روانہ ہو گئے اور پھر چند سالوں کے بعد فلاڈیلفیا میں ان کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ ان کی میت لندن ہوتے ہوئے واپس وطن بھیج دی گئی۔

☆ فروری 1980ء: مانچسٹر اور لندن کے بعض سرکردہ حضرات نے بربنائے مخاصمت مرکزی جمعیت اہل حدیث برمنگھم کے بارے میں سفارت سعودیہ تک اپنی شکایت پہنچائی۔ یہ ایک بے بنیاد شکایت تھی جس کا کوئی اثر نہیں ہوا لیکن مذہبی عصبیت کا یہ اظہار گرانی طبع کا باعث رہا۔

☆ مارچ 1980ء: گو میں پاکستان سے ایم اے عربی کر چکا تھا لیکن ڈاکٹریٹ کے حصول کے لیے مجھے کسی برطانوی یونیورسٹی سے دوبارہ ایم اے کرنا لازم ٹھہرایا گیا تھا اور اس ضمن میں مجھے برمنگھم یونیورسٹی کے

ایک ذیلی ادارے 'سیلی اوک کالج' میں ڈاکٹر نیلسن سے ملاقات کا موقع حاصل ہوا اور ان سے اپنے اختیار کردہ موضوع تحقیق پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔

☆ 23 مارچ 1980ء: والتھم اسٹو کے ایک گرلز اسکول کے ہال میں ایک جلسہ عام رکھا گیا تھا جس میں بعض شر پسند عناصر نے شور اور واویلا مچایا بلکہ اپنی ناراضگی کا اظہار کرسیاں پھینکنے سے کیا جس میں میرے 10 سالہ بچے (اسامہ) کو پیشانی پر سخت چوٹ آئی بلکہ ہسپتال جا کر ٹانکے لگوانے تک کی نوبت آئی۔

☆ اپریل 1980ء: لیبیا کے ایک صحافی رمضان کو لیبیا کے ڈکٹیٹر کے اشارہ پر ایک نوجوان نے انہیں اس وقت گولی کا نشانہ بنایا جب وہ اسلامک کلچرل سنٹر لندن سے نکل رہے تھے۔

☆ کامن ویلتھ ہال میں سید عبد العزیز علی الطوع اور مدیر جسارت (کراچی) جناب صلاح الدین کے ساتھ سیرت کانفرنس یں شرکت کی۔

☆ ایرانی سفارت خانہ پر کچھ مسلح افراد نے قبضہ کر لیا۔ محصور افراد میں جریدۃ Impact کے مدیر حاشر فاروقی بھی تھے جو اپنی صحافتی ذمہ داریوں کے حوالہ سے وہاں بحیثیت زائر گئے ہوئے تھے۔ برطانوی پولیس نے 5 مئی تک سفارت کو ان مسلح افراد سے آزاد کرا لیا تھا۔

جناب حاشر فاروقی کا ذکر آیا تو بتاتا چلوں کہ آج 17 جنوری 2022ء) ہے کہ جب میں یہ سطور قلمبند کر رہا ہوں، آج سے تین دن قبل اسلامک کلچرل سنٹر میں ان کا جنازہ لایا گیا اور پھر گارڈن آف پیس کے قبرستان میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ الحمد للہ دونوں جگہ حاضر ہونے کی توفیق ہوئی۔

☆ مئی 1980ء: ملیشیا ہال لندن میں ہفتہ وار درس قرآن کا آغاز کیا جس میں ملیشیا سے آئے ہوئے طلبہ کو شرکت کا موقع ملتا رہا۔

☆ جون 1980ء: ڈاکٹر اسرار احمد کے برادر بزرگ اظہار احمد قریشی کی میزبانی کا شرف حاصل رہا۔

☆ جولائی 1980ء: رمضان کا آغاز ہو چکا تھا، سعودیہ سے جامعہ مدینہ کے سابق رئیس شیخ عبد المحسن حمد العباد اپنی آنکھوں کے علاج کے لیے لندن تشریف لائے تھے۔ ایام مدینہ میں وہ ہمیں عقیدہ طحاویہ پڑھایا کرتے تھے۔ اطباء سے ملاقات کے لیے میں ان کی رہنمائی کرتا رہا۔

☆ شیخ محمود آل محمود اور ریاض کے ڈاکٹر محمد احمد الصالح استاد جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔

☆ اگست 1980ء: یو کے اسلامک مشن کی سالانہ کانفرنس برمنگھم میں منعقد ہوئی جس میں شرکت کا موقع ملا۔ دار الافتاء (ریاض) سے شیخ اسماعیل بن عتیق تشریف لائے جن کے ساتھ کئی دن انتہائی مصروف گزرے۔ انہوں نے برطانیہ کے کئی شہروں میں خطاب کیا، جہاں میں ان کی ترجمانی کرتا رہا۔

☆ ستمبر 1980ء: برمنگھم میں پیغام اسلام ٹرسٹ کی سالانہ کانفرنس میں شرکت کی۔ 11 ستمبر کو گلاسگو کی جامع مسجد کا افتتاح تھا۔ مفتی مقبول احمد امام و خطیب جامع مسجد سے ملاقات ہوئی۔ میں 1962ء میں مدینہ روانہ ہونے سے قبل چند ماہ منٹگمری میں رہا تھا، جہاں مفتی صاحب کے قائم کردہ جامعہ رشیدیہ میں چند اسباق (اصول فقہ میں نور الانوار اور عقیدہ میں مسایرہ مع مسامرۃ) کے اسباق پڑھنے کا موقع ملا تھا۔

☆ اکتوبر 1980: مکہ مکرمہ میں دعوتی پروگرام کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ یہ کام دار الافتاء کے تحت شعبہ (التوعیۃ الاسلامیہ فی الحج) کے زیر اہتمام کیا گیا تھا اور اس طرح ہر سال مکہ مکرمہ جانے اور حج کے شعائر ادا کرنے کی سبیل پیدا ہو گئی۔

☆ نومبر 1980ء: 8 نومبر سے ہجری سال 1401 کا آغاز ہو چکا تھا۔

القرآن سوسائٹی کا باضابطہ اجلاس منعقد ہوا اور یو کے اسلامک مشن کے مرکزی دفتر واقع یوسٹن (لندن) میں ہفتہ وار عربی کلاس بھی لینا شروع کی۔

☆ دسمبر 1980ء: 21، 22 دسمبر کو طلبہ کی نمائندہ تنظیم FOSIS کی ڈربی میں موسم سرما کی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں خطاب کا موقع ملا۔ سورۃ الحجرات کا درس دیا۔ یہ تنظیم برطانیہ میں دنیا کے طول و عرض اور خاص طور پر ہندوپاک اور ملیشیا سے آنے والے طلبہ کی دینی رہنمائی کے لیے گرانقدر کام کر رہی ہے۔

اس کانفرنس سے جماعت اسلامی (پاکستان) کے امیر میاں طفیل محمد نے بھی خطاب کیا۔

☆☆☆

مولانا اسد اور حافظ شاہد کی ہمشیرہ شیخوپورہ میں انتقال کر گئیں۔

امام و خطیب مسجد اہل حدیث ہیلی فیکس مولانا محمود الحسن اسد اور خطیب مسجد الہدیٰ بریڈ فورڈ حافظ شریف اللہ شاہد کی ہمشیرہ صاحبہ شیخوپورہ پاکستان میں وفات پا گئیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

مرحوم کی عمر 60 سال تھی اور یہ غلام رسول مرحوم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ پسماندگان میں سات بیٹے اور چار بیٹیاں سوگوار ہیں۔ مرحومہ پابند شرع صالحہ اور عابدہ خاتون تھیں، مرکز جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے ذمہ داران حاجی محمد اکبر، حافظ اخلاق احمد، مولانا محمد ابراہیم میرپور، حافظ حبیب الرحمٰن جہلمی، مولانا شعیب احمد میرپوری، مولانا عبد الستار، حافظ عبد الاعلیٰ درانی اور دیگر علماء کرام واحباب جمعیت نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی کہ

اللہ کریم مرحومہ کو مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے اور ان کے بچوں کو والدین مرحومین کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

دنیا کے اے مسافر منزل تیری قبر ہے
طے کر رہا ہے جو تو دو دن کا یہ سفر ہے



''غدیر خم کا خطبہ'' اہل سنت اور شیعہ کے درمیان ایک بڑا محل نزاع بنایا ہوا ہے۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ آج کی نشست میں ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو بھی تحقیق و واقعات کی روشنی میں بیان کیا جائے۔ وھو الموفق

خطبہ غدیر خم کا پس منظر

اس کا پس منظر یہ تھا کہ ''حجۃ الوداع'' سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا تھا، وہاں کے محصولات وغیرہ وصول کر کے ان کی تقسیم اور بیت المال کے حصے کی ادائیگی کے فوراً بعد سیدنا علی ؓ حضور ﷺ کے پاس حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اس موقع پر محصولات کی تقسیم وغیرہ کے حوالے سے بعض حضرات نے سیدنا علی ؓ کی جانب سے کچھ سختی محسوس کی ان میں سیدنا ابوبریدہ ؓ بھی تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سیدنا علی ؓ پر کچھ تحفظات ظاہر کیے۔ یہ ایک روٹین کی بات تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں اسی موقع پر انفرادی طور پر سمجھایا اور سیدنا علی ؓ کی تصویب و تحسین فرمائی۔ بلکہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''علیؓ کا اس سے بھی زیادہ حق تھا'' مزید یہ کہ آپ تو رحمت بن کر تشریف لائے تھے۔ محبت کا پیغام تھا۔ نفرت و کدورت کی کوئی جگہ نہ تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے انہیں سیدنا علی ؓ سے محبت و پیار اور اکرام برقرار رکھنے کا حکم دیا اور سیدنا علی ؓ کے بارے میں دل میں کدورت اور میل رکھنے سے منع فرمایا اور اس کا سبب بھی بتایا۔

چنانچہ ان حضرات کے دل سیدنا علی ؓ کی طرف سے بالکل صاف ہو گئے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے بعد ہمارے دلوں میں سیدنا علی ؓ محبوب ہو گئے۔ حج کے اختتام کے ایام تھے، فراغت کے بعد سبھی لوگ واپس چل پڑے۔ چلتے چلتے خم نامی چشمے پر پہنچے۔ سیدنا علی ؓ حوالے سے کچھ باتیں سفر حج سے واپسی تک قافلے میں گردش کرتی رہیں۔ آپ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ اس حوالے سے آپ ﷺ سیدنا علی ؓ کی قدر و منزلت اور ان کا حق ہونا بیان فرمائیں، چنانچہ سفر حج سے واپسی پر مقام غدیر خم میں نبی کریم ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ بات کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم غدیر خم کا محل وقوع بتاتے ہیں۔

غدیر خم کا محل وقوع

'غدیر خم' مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے اور یہ اس وقت بمنزلہ ایک چوراہے کے تھا۔ یہاں سے مکہ سے آنے والے حجاج کے راستے الگ الگ ہوتے تھے۔ مکہ اور یمن جانے والوں کا راستہ جنوب میں جاتا تھا۔ عراق اور ہندوستان وغیرہ کو جانے والوں کا راستہ مشرق کو جاتا تھا۔ اور مغربی ممالک اور مصر وغیرہ کا راستہ مغرب کی سمت تو مدینہ شمال کی جانب تھا۔ یہاں چونکہ سب اہل قافلہ اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہو رہے تھے۔ جب آپ ﷺ حجۃ الوداع سن 10 ہجری کو مکہ سے واپس ہوئے اور اس مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا کیوں کہ اس کے بعد آپ کے ساتھ حج پر جانے والے صحابہ الگ الگ ہونے والے تھے۔ اس لیے نبی اقدس ﷺ نے اپنی عادت مبارکہ کے تحت بوقت رخصت ان تمام قافلوں کو نصیحتیں فرمائیں۔ ان باتوں کے ضمن میں تازہ تازہ وقوع پذیر سیدنا علی ؓ سے شکایت کا واقعہ بھی تھا اس لیے آپ ﷺ نے اسے مزید کلئیر فرما دیا۔ وہ باتیں جو فرداً فرداً لوگوں سے دیگر نصیحتوں کے ساتھ ساتھ سیدنا علی ؓ کی صفائی اور محبت کے لیے کہی تھیں۔ وہ بھی دہرا دیں۔ تاکہ سب کچھ واضح ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ ".(مسند احمد بن حنبل : 950)قَالَ: فَلَقِيَهُ عُمَرُ بَعْدَ ذَلِكَ، فَقَالَ: هَنِيئًا لَكَ يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ! أَصْبَحْتَ وَأَمْسَيْتَ مَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ

''یعنی اے اللہ! جو مجھے دوست رکھے گا وہ سیدنا علی کو بھی دوست رکھے گا۔ میں جس کا محبوب ہوں گا سیدنا علی بھی اس کا محبوب ہو گا۔ اے اللہ! جو سیدنا علی سے محبت رکھے تو اس سے محبت رکھ، اور جو علی سے دشمنی رکھے، تو اس کا دشمن ہو جا۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد سیدنا عمر ؓ سیدنا علی ؓ سے ملے تو فرمایا۔ اے ابن ابی طالب! آپ کو مبارک ہو! آپ ہر صاحب ایمان کے نزدیک ہمہ وقت محبوب بن گئے ہیں۔''

سیدنا عمر اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان گہری محبت کا تعلق

کتنی عجیب بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو قرآنی زبان میں ''رحماء بینھم'' اور'' أشداء علی الکفار'' تھے۔ قسمت معکوس والوں نے انہیں

الٹ بنا کر پیش کیا۔ آپس میں ایک دوسرے کو دشمن سمجھایا گیا۔ قرآن کریم انہیں باہمی محبت و مودت کا مظہر قرار دیتا ہے، مگر یہ لوگ قرآن کے برعکس تصویر کشی کرتے ہیں۔ حضراتِ شیخین سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت پہلے سے تھی۔ جن چند لوگوں کے دل میں کچھ شبہات تھے، آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد ان کے دل بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت سے سرشار ہو گئے۔

اس خطبہ سے آں سیدنا ﷺ کا مقصود یہ بتلانا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اللہ کے محبوب اور مقرب بندے ہیں، ان سے اور میرے اہلِ بیت سے تعلق رکھنا مقتضائے ایمان ہے، اور ان سے بغض وعداوت یا نفرت وکدورت ایمان کے منافی ہے۔

مذکورہ پس منظر سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ آں سیدنا ﷺ کا غدیر خُم میں "من كنت مولاہ فعلي مولاہ" ارشاد فرمانا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اعلان کے لیے نہیں تھا۔ کیونکہ نبی اقدس افصح العرب تھے۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کرنا تھا تو آپ کے پاس الفاظ کی کمی ہرگز نہ تھی۔ صاف فرما دیتے کہ علی میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔ بلکہ یہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قدر ومنزلت بیان کرنے اور معترضین کے شکوک دور کرنا تھا۔

نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو ایک فریضہ لازمہ کے طور پر امت کی ذمہ داری قرار دینے کے لیے تھا۔ اور الحمدللہ! اہلِ سنت اتباعِ سنت میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی محبت کو اپنے ایمان کا جز سمجھتے ہیں۔ اور بلاشبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اہلِ ایمان ہی محبت رکھتے ہیں۔

اہل تشیع نے اس حدیث سے خلافت علی پر جن امور سے دلیل پکڑی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ حدیث کے اندر موجود لفظ 'مولیٰ' کا معنی ولی سرپرست کے ہے اور قرائن اس کی شہادت دیتے ہیں۔

2۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے تمام مومنین کی دوستی کوئی مخفی اور پیچیدہ چیز نہ تھی کہ جس کے لئے اس قدر تاکید اور بیان کی ضرورت ہوتی۔ اور اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس بے آب وگیاہ اور جلتے ہوئے بیابان میں اس عظیم قافلہ کو کڑکتی دھوپ میں روک کر ایک طویل ومفصل خطبہ دیا جائے اور سب لوگوں سے اس دوستی کا اقرار لیا جائے یہ بات دلیل ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سونپی تھی۔

3۔ مسند احمد میں بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ کے اعلان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں مبارک باد دی:

هنيئاً يا بن أبي طالب أصبحت وأمسيت مولی كلّ مؤمن و مؤمنةٍ

"مبارک ہو۔ اے ابن ابو طالب! آج سے تم ہر صاحب ایمان کے مولا بن گئے ہیں۔"

اس تاریخی واقعہ پر تمام لوگوں کی طرف سے خصوصاً سیدنا عمر اور سیدنا ابو بکر کا سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی خدمت میں مبارکباد پیش کرنا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ یہ مسئلہ صرف خلافت کا مسئلہ تھا۔ جس کی وجہ سے تبریک وتہنیت پیش کی جارہی تھی۔

لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ یہ اس وقت صحیح ہے جب مولیٰ کے معنی صرف اور صرف حاکم اور خلیفہ کے لیے جائیں۔

اہل تشیع کے دلائل کا تجزیہ

یقیناً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دوستی تمام مومنین سے مخفی اور پیچیدہ نہیں تھی لیکن بعض واقعات کو لیکر اس وضاحت کی ضرورت پڑی کیونکہ یمن کے غزوہ میں بعض معاملات کو لیکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بعض اَصحاب کے دلوں میں بے چینی تھی جس کا ذکر انہوں نے برملا نبی کریم ﷺ سے کیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنے خاص اُسلوب میں سمجھایا تو ان کی سمجھ میں بھی آگیا اور بعض روایات کے مطابق انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اپنی محبت ومودت کا اظہار بھی کیا۔ لیکن بات چونکہ چند افراد سے نکل کر آگے بڑھ چکی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ اس غلط فہمی کا ازالہ سب کے سامنے ہو چنانچہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ ، قَالَ : غَزَوْتُ مَعَ عَلِيٍّ الْيَمَنَ، فَرَأَيْتُ مِنْهُ جَفْوَةً، فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ذَكَرْتُ عَلِيًّا فَتَنَقَّصْتُهُ، فَرَأَيْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَتَغَيَّرُ، فَقَالَ: «يَا بُرَيْدَةُ، أَلَسْتُ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ؟» قُلْتُ : بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ : «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» (مسند احمد: 22945)

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کا غزوہ کیا تو میں نے ان کے اندر کچھ سختی دیکھی تو جب میں حضور ﷺ کے پاس آیا تو میں نے اس کا ذکر آپ سے کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان کم کرکے بیان کی۔ تو میں نے آپ ﷺ کے چہرے کو بدلتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بریدہ! کیا میں تمام مؤمنین کے نزدیک ان کی جانوں سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ تو سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "جس کا میں دوست اس کا علی (رضی اللہ عنہ) بھی دوست ہے۔"

جب روایات میں اس کی وجہ موجود ہے (اور اہل تشیع کے مطابق ان روایات کی اسناد متواتر ہیں) تو خود ساختہ باتوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

اسی طرح حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے شرح

ابن ماجہ میں امام شافعی ؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ ولایت اسلام کی ولایت (دوستی) مراد تھی:

" وَقَالَ الشَّافِعِي: عَنى بذلك وَلَاء الْإِسْلَام، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ [سورة محمد:11] وَقيل: سَبَب ذَلِك أَن أُسَامَة قَالَ لعَلي رَضِي الله عنه: لستَ مولَايَ، إنما مولَايَ رَسُول الله ﷺ. فقال رسول الله ﷺ ذلك". (باب اتباع السنة، جلد نمبر1)

"نبی کریم ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں اسلامی بھائی چارہ مراد لیا ہے جیسا کہ سورہ محمد آیت 11 میں "یہ اس وجہ سے کہ اللہ مومنین کا دوست ہے اور کافروں کا کوئی دوست نہیں۔"

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا سبب ورود یہ بھی ہے کہ سیدنا اسامہ ؓ نے سیدنا علی ؓ سے کہا کہ آپ میرے دوست نہیں میرے دوست رسول اللہ ﷺ ہیں اس پر آپ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

یہ بات بھی مسلم ہے کہ سیدنا علی ؓ کی دوستی عام نہیں تھی بلکہ اک خاص دوستی تھی۔ یعنی معاملہ خلافت کا تھا۔

اس کی پہلی وجہ تو یہی کہ سیدنا علی ؓ سابقین اولین میں سے ہیں جو درجہ اور رتبہ کے اعتبار سے بہت بلندی کا مقام تھا پھر سیدنا علی ؓ خاص طور پر اہل بیت میں سے ہیں جن کی پاسداری کا اقرار الگ سے آپ ﷺ نے کرایا تھا۔ جب معاملہ یہ ہے تو پھر یہ عام دوستی کہاں رہی؟ اس سے یہ استدلال کرنا کہ "جس طرح میں تمہارا رہبر و سرپرست ہوں علی بھی رہبر و سرپرست ہیں۔" بالکل غلط ہے صحیح احادیث اس کی تائید نہیں کرتیں یہ مفہوم تو متعصب ہی نکال سکتا ہے انصاف پسند سے بعید ہے۔

مبارک باد سے خلافت ثابت نہیں ہوتی۔

نیز آپ ﷺ نے اپنے بہت سارے اصحاب سے متعلق خصوصی محبت اور دوستی کے وعدے اور اقرار لئے ہیں تو کیا وہ سب خلافت اور ولایت کے وعدے تھے؟

جیسا کہ مسند احمد کی بعض روایات سے ثابت ہے کہ اس موقع پر سیدنا علی ؓ کو سیدنا عمر ؓ نے خصوصی مبارکباد دی۔ لیکن اس سے خلافت علی ؓ پر استدلال کرنا بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ ایسی مبارکبادیں تو اور بھی ثابت ہیں۔ خود نبی ﷺ نے سیدنا کعب بن مالک ؓ کو ان کی توبہ کی قبولیت پر مبارکباد دی تھی۔ آیت تیمم کے نزول پر صحابہ کرام ؓ نے آل ابو بکر صدیق ؓ کو مبارکباد پیش فرمائی۔ ان کے علاوہ اور بھی مبارکبادیں ثابت ہیں، محض مبارک باد سے "مسئلہ خلافت "ثابت نہیں ہوتا۔ مبارکباد سے سیدنا علی ؓ کی قدر و منزلت ضرور ثابت ہوتی ہے جس کا ہمیں اقرار ہے اور اس سے مولی کے معنی زبردستی حاکم اور خلیفہ کے لینا محض غلط ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر مولی کا معنی حاکم یا خلیفہ لیا جائے تو یہ سیاق و سباق کے خلاف ہے۔ ظاہر سی بات ہے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں سیدنا علی ؓ کا حاکم اور خلیفہ ہونا خلاف حقیقت ہے جبکہ بات نبی کریم ﷺ کی موجودگی کی چل رہی ہے۔ الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے، کیا یہ عجیب بات نہیں لگتی کہ نبی کریم ﷺ یہ کہیں "جس کا میں والی و حاکم ہوں، علی اس کے والی و حاکم ہیں؟" لہٰذا مولی کا معنی والی و حاکم لینا کسی طرح مناسب نہیں ہے بلکہ اس کا وہی مفہوم ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے اور وہ دوست، مددگار وغیرہ ہے۔

اسی طرح اہل تشیع کا یہ کہنا کہ بعض روایات کے مطابق اس موقعہ پر ولایت سیدنا علی ؓ کے لیے بیعت لی گئی تھی۔ بالکل غلط استدلال ہے۔ بیعت تحت الشجرۃ تو سیدنا عثمان ؓ کیلئے بھی لی گئی تھی۔ لیکن وہ بیعت خلافت نہ تھی بیعت خون تھی۔ یہاں بھی سیدنا علی ؓ کی بیعت بیعت ولایت و خلافت نہ تھی بیعت مودت و محبت تھی۔ اس سے زیادہ وضاحت تو ان الفاظ میں تھی:

« مُرُوا أَبا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بالنَّاسِ »(صحیح بخاری: 664 جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر کی روایت میں تفصیل موجود ہے۔

وعن ابن عُمَر رضي اللَّه عنهما قَالَ: لَمَّا اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللَّه ﷺ وَجَعُهُ قيلَ لَهُ في الصَّلاةِ، فقال: مُرُوا أبا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بالنَّاسِ، فقالتْ عائشةُ رضي اللَّه عنها: إنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقيقٌ، إذا قَرأَ القُرآنَ غَلَبَهُ البُكاءُ، فقال: مُرُوهُ فَلْيُصَلِّ.

"جب نبی کریم ﷺ کا مرض سخت ہو گیا۔ نماز کے بارے میں آپ کو بتایا گیا تو فرمایا: جاؤ ابو بکر (ؓ) کو میرا حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ سیدنا عائشہ ؓ نے عرض کیا وہ بہت نرم دل ہیں۔ آپ کی موجودگی میں نماز نہیں پڑھا سکیں گے تو نبی ﷺ نے سختی سے فرمایا: بحث نہ کرو، ابو بکر (ؓ) سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔ اس سے بڑھ کر خلافت و امامت صدیقی کا کیا اعلان ہو سکتا ہے؟ لیکن اس کے باجود مسلمانوں کی مجلس شوریٰ نے سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کی خلافت کا انعقاد کیا۔ کیونکہ اسلام میں حکومت کیلئے شورائی نظام تجویز کیا گیا ہے:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (سورہ شوریٰ:38)

عید غدیر منانے کا اصل سبب

اہل تشیع بعض صحابہ میں اس واقعہ غدیر خم کو بنیاد بنا کر 18 ذی الحجہ کو عید کا دن قرار دیتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ اس کا حکم نہ تو نبی کریم ﷺ نے دیا ہے اور نہ ہی صحابہ کرام ؓ سے اس کا ثبوت ہے۔ بلکہ سیدنا

علی رضی اللہ عنہ نے بھی کبھی اس کو بطور عید نہیں منایا۔ جبکہ اس واقعہ کے 30 سال بعد تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ باحیات رہے۔ 26 سال بلا خلافت اور ساڑھے 4 سال خلافت کے، کم از کم یہ خلافت کے ایام میں تو 18۔ ذی الحجہ کو بطور عید منا سکتے تھے۔

ان کے بعد بھی صدیوں تک اس کو بطور عید نہیں منایا گیا البتہ 351 ہجری میں معز الدولہ نے بغداد میں سب سے پہلے اس عید کو ایجاد کیا، منایا اور اس کا نام "عید غدیر خم" رکھا۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ بادشاہ نہایت بدکردار اور شیعہ تھا۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ پر خوشی کا بہانہ

دراصل عید غدیر خم کی آڑ میں اہل تشیع شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ پر خوشیاں مناتے ہیں کیونکہ یہی تاریخ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کی ہے جس طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر کونڈوں کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ لیکن بعض نادان اہل سنت بھی ان کی چالوں سے ناواقف ہونے کی بنیاد پر ان کے ساتھ بعض دفعہ اور بعض جگہ شریک ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے معز الدولہ نے سن 351 ہجری میں اس کو عید کا دن قرار دیا اور اس کا نام عید غدیر خم رکھا۔ اہل اسلام اس ضلالت سے بہر حال بلند اور بری ہیں۔

خلاصہ کلام

غدیر خم کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض اشکالات جو لوگوں کے ذہنوں میں آئے تھے انہیں صاف کرنے کیلئے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان بلند واضح فرمائی۔ ان کی خلافت و امارت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

هذا ماعندی والله أعلم وأحكم بالصواب

خدا کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے کیا؟

(مفہوم آیات قرآنی......سورۃ النمل......٦٠......٦٥)

بھلا وہ کون ہے جس نے بنائے ارض و سما؟
اُگے ہیں جس سے یہ باغات و خوش نما سبزہ
خدا کے ساتھ ہے معبود کوئی اور بھی کیا؟
زمیں کو کس نے بنایا قرار و امن کی جا؟
پہاڑ گاڑ دیئے کس نے اس میں بیچ نما؟
خدا کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے کیا؟
وہ کون ہے کہ جو سنتا ہے مضطرب کی دعا؟
بناتا کون ہے تم کو زمین کے خلفا؟
خدا کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے کیا؟
تمھیں یہ کون اندھیروں میں رہ دکھاتا ہے؟
نوید ابرِ کرم کی وہ جب سناتا ہے
خدا کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے کیا؟
وہ کون ہے کہ جو خالق ہر ابتدا کا ہے؟
یہ آسمان و زمیں سے تمھیں جو ملتا ہے
ہے کردگار کوئی اور بھی خدا کے سوا؟

فلک سے کس نے یہ مینہ بوند بوند برسایا؟
درخت جن کے اُگانا تمھارے بس میں نہ تھا
نہیں ، یہ لوگ ہیں بھولے ہوئے مگر رستہ
کیے ہیں کس نے پھر اس میں رواں دواں دریا؟
رکھا ہے کس نے یہ دو پانیوں میں اک پردہ؟
کثیر لوگ ہیں جن کو نہیں ہے علم اس کا
پکار سن کے جو کرتا ہے دُور رنج و بلا؟
(کیا ہے تم نے کبھی اس پہ غور و فکر ذرا؟)
بہت ہی کم ہیں مگر جن کو ہے شعور اس کا
نجومِ چرخ کو یوں رہنما بناتا ہے
بنا کے قاصدِ رحمت ہوا چلاتا ہے
بلند و پاک ہے ہر شرک سے وہ ایک خدا
اعادہ خلق کا پھر کون کرتا رہتا ہے
بتاؤ رزق رساں کون وہ تمھارا ہے؟
تمھارے پاس کوئی اس کی ہے دلیل بھی کیا؟

خواجہ محمد عارف، برمنگھم



بطورِ حجت فی الدین اول الذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ مجید ہے۔

اس کے بعد کی منزلت امام بخاری رحمۃ اللہ کی کتاب صحیح بخاری شریف کو حاصل ہے۔ پھر اس کے بعد صحت وصداقت کے منصب پہ فائز امام مسلم رحمۃ اللہ کی کتاب صحیح مسلم شریف ہے۔

اس فکر کے اجمال کو اگر وسعت دیں تو یہ تفصیل کے قالب میں ڈھل کر یوں نمایاں ہوتا ہے کہ جس طرح اسلام کے بنیادی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات کی معرفت سمیت تمام انواع کی حلت وحرمت کے بنیادی مسائل کی پرکھ کے لیے قرآن کی طرف رجوع کیا جانا از حد ضروری ہے۔ اُسی طرح اِن مسائل کی شرح وبسط کے لیے رسالت مآب ﷺ کے فرامین پہ مشتمل صحیح بخاری اور صحیح مسلم سمیت دیگر معتبر کتبِ حدیث کی طرف بھی رجوع کیا جانا از بس ضروری ہے۔

قرآنی احکام کی تفسیر وتفصیل کے لیے یہ کتابیں نہایت واجب الاعتماد ذرائع ہیں۔ ان کتب سے روگردانی گویا قرآن کے منشا ومفہوم سے نابلد ہونے کی نشانی ہے۔ شرحِ صدر رہے کہ درجِ بالا مقدمہ بلا جواز ہے اور نہ ہی بلا دلیل ہے۔ بلکہ ہمارے اس مقدمے کی بِنا قرآن مجید ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾

"اے محبوب ﷺ ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپکی طرف نازل کیا ہے۔ تاکہ آپ لوگوں کیلیے اس میں منزّل شدہ (احکام) کی وضاحت کریں۔"

قارئین! اکنافِ عالم میں منتشر احادیث کی جمع بندی اور پھر ان کے ردّ وقبول کے حوالے سے کڑے ترین معیار وضوابط کے پیشِ نظر محض صحیح احادیث کا اہتمام، انصرام اور اجتماع کرنا وہ بھی انتہائی دقیق وعمیق ترتیب کے ساتھ، یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ بلکہ توفیقِ الٰہی سے محدثین کی یہ ایسی سخت کاوشیں اور مخلصانہ محنتیں تھیں کہ جن کا ثمر صحیح بخاری و صحیح مسلم جیسے معرکہ آرا مجموعہ احادیث کی صورت میں امتِ مسلمہ کو نصیب ہوا۔ ان دو کتب میں جو بھی حدیث ضبطِ تحریر میں آئی پوری امت کی طرف سے اسے قبولیتِ عامہ نصیب ہوگئی۔ بزبانِ حال وقال سب کی طرف سے یہی عیاں ہوا کہ شیخین (بخاری و مسلم) کی روایت کردہ ہر حدیث پہ بلا کھٹکے مِن وعن عمل کرنا ہر صاحب ایمان اور ذی شعور پہ لازم ہے۔ یہاں یہ امر بھی حیرت آمیز دلچسپی سے خالی نہیں کہ صحیح احادیث کے مذکورہ مجموعے جن عالی حضرات سے تشکیل پذیر ہوئے وہ کوئی عربی النسل نہیں بلکہ عجمی النسل تھے۔ قُدرت نے خیرِ کثیر کا یہ کام اہلِ عجم سے لیا۔ اور کام بھی ایسا شاہکار ثابت ہوا کہ دنیا بھر میں جسکی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

لہٰذا تا قیامت امت کا ہر فرد ان دو حضرات کے زیرِ احسان رہے گا۔ عقلِ سلیم اور بصیرت کے آئینے میں اگر دیکھا جائے تو یہ کوئی معمولی خدمت نہیں تھی۔ کیونکہ احادیث کی تدوین و روایت میں لفظی و معنوی صحت کے التزام کی خاطر محدثین جو قوت و بصیرت بروئے کار لائے قدرت کی طرف سے وہ کسی کسی کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ پھر جن مشکلات کا انہیں سامنا رہا وہ برداشت کرنا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ کتنے ہی مقاماتِ آہ وفغاں آئے اور دنیا کی کتنی ہی مکروہات کا انہیں سامنا رہا مگر ان کے پائے استقامت میں نہ تو کبھی جُنبش آئی اور نہ ان کی جہدِ مسلسل نے کبھی تساہل برتا۔ یہ کارواں چلا اور بس چلتا ہی گیا۔ اس تمہید کے بعد اب ہم امام مسلم رحمۃ اللہ کی سیرت اور ان کی مایہ ناز کتاب صحیح مسلم کے بعض خصائص کے حوالے سے چند معروضات پیش کرتے ہیں۔

یاد رہے! قبل ازیں ایک سابقہ کالم میں ہم امام بخاری رحمۃ اللہ کی شخصیت اور ان کی کتاب صحیح بخاری کو زیر بحث لا چکے ہیں۔

یہ سلسلہ بڑھاتے ہوئے آج ہم امام مسلم رحمۃ اللہ اور ان کی کتاب صحیح مسلم کے متعلق آپکو روشناس کریں گے کہ قرآن کے بعد "أصح الكتب بعد كتاب الله" صحیح بخاری ہے۔ اور پھر صحیح بخاری کے بعد صحت وثقاہت کا اعلیٰ درجہ صحیح مسلم کو حاصل ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ بھی امام بخاری رحمۃ اللہ کی طرح روایتِ و درایت میں اصولِ حدیث کے اعلیٰ ترین پیمانے پہ پورا اترتے ہیں۔

قارئین! اِن محدثین کے خلوص اور محنتِ شاقہ ہی کا مظہر ہے کہ پوری امت رسالت مآب ﷺ سے بلاواسطہ تو نہیں مگر بالواسطہ آج تک فیض یاب ہو رہی ہے اور تا قیامت ہوتی رہے گی۔

قارئین! امام مسلم رحمۃ اللہ کا پورا نام ابو الحسین مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری ہے۔ آپ 202 ھجری میں ایران کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اور

261ھ میں نیشاپور میں ہی وفات پائی۔ آپ کا دور علمی اعتبار سے ایک زریں دور تھا۔

بلادِ اسلامیہ میں علمِ حدیث کے بڑے بڑے مراکز قائم ہو چکے تھے۔ جہاں طلابِ حدیث اپنی اپنی بساط کے مطابق اکابر محدثین سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ اس وقت نیشاپور بھی علمِ حدیث کے اہم مراکز میں شمار ہوتا تھا۔ وہاں درسِ حدیث کے بڑے بڑے حلقے قائم تھے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد خراسان، عراق، حجاز، شام، بغداد اور مصر کے کبار محدثین سے اکتسابِ فیض کیا۔ بہت ہی کم عرصے میں آپ نے تمام مروجہ علوم میں دسترس پالی۔

حصولِ روایت ودرایت کی خاطر آپ نے جن محدثین کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا ان میں: اسحاق بن راھویہ، قتیبہ بن سعید، عبد اللہ بن مسلمہ القعنبی، یحیٰ بن یحیٰ نیشاپوری، سعید بن منصور، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، اور امام ذُہلی رحمہم اللہ وغیرہ کا نام شامل ہے۔

فنِ حدیث میں آپکو مہارتِ تامہ جبکہ علمِ رجال میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔

آپ کے اساتذہ نے آپ کی علمی شخصیت اور دینی خدمات بالخصوص خدمتِ حدیث کے حوالے سے یوں تحسین فرمائی:

1۔ آپ کے استاد اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
”اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ شخص مستقبل میں کتنا بڑا محدث بنے گا۔“

2۔ شیخ محمد الفراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
”مسلم بن حجاج علمِ حدیث کے حفاظ میں سے ہیں۔ میں ان میں سوائے خیر کے کچھ نہیں دیکھتا۔“

3۔ آپ کے استاد محمد بن بشار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:
”حدیث کے چار بلند پایہ حافظ ہیں: محمد بن اسماعیل (بخارہ میں)، مسلم (نیشاپور میں)، دارمی (سمرقند میں)، اور ابوزرعہ رازی (رَي میں)

4۔ احمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:
”ابوزرعہ رازی اور ابوحاتم رازی اپنے زمانے کے تمام محدثین پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو ترجیح دیتے تھے۔ علاوہ ازیں کثیر زعمائے اسلام نے آپ کی علمی وجاہت اور دینی خدمت کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا۔“

5۔ شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
”آپ اہلِ حفظ و اتقان میں اعلیٰ ترین درجے پہ فائز تھے۔“

6۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں:
”آپ کا شمار حفاظِ حدیث کے ائمہ میں ہوتا ہے۔“

7۔ محدث سمعانی کہتے ہیں:
”جن علماء نے پوری دنیا پہ اپنی امامت کا سکہ بٹھایا امام مسلم ان میں سے ایک ہیں۔“

8۔ ابنِ خلکان کہتے ہیں:
”آپ حفاظ کے امام اور اعلیٰ درجے کے محدث ہیں۔“

9۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:
”آپ بہت بڑے امام اور علمِ حدیث میں حجت کا درجہ رکھتے ہیں۔“

10۔ نواب صدیق الحسن قنوجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:
”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے سب سے بڑے امام و محدث ہوئے ہیں۔“

قارئین! صحیح مسلم کو جس 15 سالہ محنتِ شاقہ اور والہانہ خلوص کے ساتھ آپ نے مرتب کیا اس کا اندازہ تو صحیح مسلم کے مطالعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ تاہم یہاں ہم یہ بتلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو بذاتِ خود اپنے اس مجموعۂ حدیث پر بے حد ناز تھا چنانچہ آپ فرماتے ہیں:
”اگر محدثین دو سو سال تک حدیثیں لکھتے رہیں پھر بھی وہ اس مُسند (صحیح مسلم) کے محتاج رہیں گے۔“

☆☆☆

سیدنا غنام بن علی روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام اعمش کو کہتے سنا:

" إذا رأيت الشيخ، لم يقرأ القرآن، ولم يكتب الحديث، فاصفع له، فإنه من شيوخ القمر» .

قال أبو صالح: قلت لأبي جعفر: ما شيوخ القمر؟

قال: شيوخ دهريون، يجتمعون في ليالي القمر، يتذاكرون أيام الناس، ولا يحسن أحدهم أن يتوضأ للصلاة"

”جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ قرآن کریم نہیں پڑھتا اور حدیث نہیں لکھتا تو اس سے دور رہو وہ شیخ القمر ہے۔“

ابو صالح کہتے ہیں کہ

میں نے ابو جعفر (راوی) سے پوچھا:

”شیخ القمر کون ہے؟“

آپ نے فرمایا:

”شیخ القمر اُن دہریہ لوگوں کو کہتے ہیں جو چاندنی رات میں جمع ہو کر تاریخی واقعات میں بڑی دون کی لیتے ہیں اور مسائل دینیہ میں ان کی جہالت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اچھی طرح وضوء کرنا بھی نہیں جانتے۔“

(شرف اصحاب الحدیث للخطیب:1/67؛والمحدث الفاصل:ص306)



فتاوی تاتار خانیہ میں ہے:
لمارأی أنّ المذھب الشافعی اوفق لظواھر الحد یث تشفع بعد ان جمع علماء المذھبین (حوالہ مرقومہ)

”جب محمود نے معلوم کیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ظاہر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے تو علماء حنفیہ اور شافعیہ کو جمع کرنے کے بعد حنفیت چھوڑ دی۔“

مرآۃ الجنان میں ہے:
فاعرض السلطان عن مذھب ابی حنیفہ (ج 3 ص 25) ۔ورجوعہ عن مذھب ابی حنیفہ (ج 3 ص 38)۔ کذافی وفیات الاعیان لابن خلکان و حیوۃ الحیوان وغیرھا۔

اور سبکی نے طبقات شافعیہ ج 4 ص 13 میں سلطان محمود کا نام اور حال لکھا ہے۔ پھر سبکی نے لکھا کان اوّلاً حنفی المذھب ثم انتقل الی مذھب الشافعی لمّا صلّی القفال بین یدیہ (طبقات سبکی ج 4 ص 14) پہلے محمود حنفی تھا لیکن جب قفال نے اسکے سامنے حنفی مذہب کی نماز پڑھ کر دکھائی تو اس نے حنفیت چھوڑ دی اور شافعی ہو گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلطان نے تفرید نامی رسالہ لکھا تھا۔ لیکن یہ ان کے حنفی دور کی تصنیف ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سلطان کی آخر حیات تک اس کی سلطنت کے قاضی القضاۃ ابو محمد ناصحی حنفی تھے جیسا کہ جواہر مضیہ میں ہے۔ اس معاملے میں عرض یہ ہے کہ جواہر مضیہ میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ ابو محمد ناصحی حنفی سلطان کے آخر حیات تک قاضی رہے۔ اور یہ بات بھی درست نہیں کہ وہ سلطان محمود کی ساری مملکت و سلطنت کے قاضی تھے، جواہر مضیہ کی عبارت یہ ہے:
ولّی القضاء للسلطان الکبیر محمود بن سبکتگین بخاری (ج 1۔ ص 274)

یعنی ابو محمد عبد اللہ بن حسین ناصحی، سلطان کی طرف سے بخارا کے قاضی بنائے گئے۔ فوائد بہیہ میں ہے کہ بخارا کے قاضی القضاۃ بنائے گئے

پھر کہا گیا ہے کہ سلطان محمود کا قاضی القضاۃ ابو محمد ناصحی کو امیر حاج مقرر کرنا اس کی مذہب حنفی سے گرویدگی کا ثبوت ہے۔ تو عرض ہے کہ یہ گرویدگی کا ثبوت نہیں بلکہ سلطان کے عدل کی ایک مثال ہے کیونکہ اس کی رعیت کی اکثریت حنفی تھی اس لئے ان کے لئے ایک حنفی کو امیر حاج مقرر کر دیا۔ قاضی موصوف تمام اکناف عالم سے آئے ہوئے مسلمانوں کے امیر الحاج نہیں تھے، صرف محمود کی مملکت کے حاجیوں کے تھے۔ (سواء الطریق مع ایضاح الطریق)

محمود غزنوی کے حالات میں تاریخ فرشتہ کے مصنف محمد قاسم نے لکھا ہے کہ محمود نے بعض ممالک میں وہ سفیر مقرر کئے جن کا شمار اہل حدیث علماء میں ہوتا تھا۔ لکھا ہے۔

و ایلک کان ما وراء النھر یک بار از آل سلطان سا مان متخلص گردانید و فتح نا مہ بہ سلطان محمود فرستادہاو را باستیلا ئے مملکت خراسان تہنیت گفت بنا بر ایں میان ہر دو پادشاہ بنا ئے دوستی و یگا نگی استحکام پذیر فت و سلطان نیز ابو الطیب سھل بن سلیمان بن صعلو لی را کہ از آئمہ اہل حدیث بود برسم رسا لت پیش ایلک خان فرستادہ (تاریخ فرشتہ: 40/1)

”یعنی جب ایلک خان نے خاندان سامان کے قبضے سے ماوراء النہر کا علاقہ آزاد کرایا اور خراسان پر فتح پائی تو فتح نامہ تہنیت سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں ارسال کیا۔ جس کے نتیجے میں دونوں بادشاہوں کے درمیان اتحاد و دوستی کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ ایلک خان کے جواب میں محمود غزنوی نے ابو الطیب سہل بن سلیمان صعلوکی کو، جو اکابر علمائے اہل حدیث میں سے تھے، اپنا سفیر اور پیغام رساں بنا کر ایلک خان کے پاس بھیجا۔“

(ابو الطیب صعلوکی بروایت مورخ فرشتہ اہل حدیث تھے۔ سمعانی کی انساب میں ہے الیہ انتھت ریاسۃ اصحاب الحدیث۔ ص 352۔ یعنی ابو سہیل محمد بن سلیمان کے مر جانے کے بعد ابو الطیب مذکور پر اہل حدیث کی سرداری ختم ہو گئی۔ یعنی صعلوکی اہل حدیث کے سردار تھے، جس کو تاریخ فرشتہ میں آئمہ اہل حدیث سے لکھا گیا ہے)

اور جناب محمد اسحاق بھٹی نے لکھا ہے:
سلطان شہاب الدین غوری (ف 602ھ) اور ان کے بھائی سلطان غیاث الدین (ف 595ھ) شافعی مسلک کے حامل رہے۔ قاضی منہاج سراج نے غیاث الدین غوری کے شافعی مسلک قبول کرنے کا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ وہ اور قاضی وحید الدین محمد مروزی، امام شافعی کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس خواب کے اگلے روز غیاث الدین غوری نے قاضی موصوف کو دربار میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ وہ آئے اور وعظ شروع کیا تو وہی خواب بیان کیا جو گزشتہ رات سلطان غوری نے دیکھا تھا۔ سلطان اس سے بہت متاثر اور متعجب ہوا کہ دونوں نے ایک ہی وقت میں ایک ہی قسم کا خواب دیکھا ہے۔ اس کے بعد اس نے شافعی مسلک اختیار کر لیا۔ قاضی منہاج کے الفاظ میں واقعہ یوں ہے:
اما سلطا ن غیا ث الدین شبے در خواب دید کہ او با قاضی وحید الدین مروزی کہ بر مذہب اصحاب حدیث بود و مقتدا ئے شفعیان، در یک مسجد

بو دند ے، نا گاہ امام شا فعی درآمدے، در محراب رفتے وتحریمہ نماز پیوستے۔ وسلطان غیاث الدین و قاضی و حید الدین ہر دو بہ امام شافعی اقتدا کر دند ے۔ چو ں از خواب درآمد، سلطان فر مان داد تا بامداد قا ضی و حید الدین در بار گاہ تذ کیر فر مو دند ۔ چو ں بر بالا ئے کرسی رفت در اثنا ئے سخن گفت کہ اے بادشاہ اسلام ! ایں دا عی دوش خوا بے دیدہ است، و عین خوا بیکہ سلطان دیدہ بود، باز گفت ۔ او ہم بہ مثل آں دیدہ بود کہ سلطان چند آ نچہ از کرسی فرود آ مد، بر بالا رفت و بخدمت سلطان، درحال سلطا ن دست مبارک قا ضی وحید الدین بہ گر فت و مذہب امام شا فعی قبول کرد۔ چوں نقل سلطا ن بہ مذ ہب اصحا ب حدیث شافعی شد۔ بردل علمائے مذہب محمد بن کرام حمل آمد(طبقات ناصری 1/ طبقہ 17،ص362)

کہ سلطان غیاث الدین غوری نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ قاضی وحید الدین مروزی کے ساتھ، جو اہل حدیث میں سے تھے اور شافعیوں کے مقتداء تھے، ایک مسجد میں بیٹھے ہیں۔ اچانک امام شافعی تشریف لائے، محراب میں گئے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سلطان غیاث الدین اور قاضی وحید الدین نے امام شافعی کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

جب سلطان نیند سے بیدار ہوا تو اس نے دربار میں وعظ و نصیحت کے لئے قاضی وحید الدین کو بلایا۔ قاضی وحید الدین نے وعظ کے لئے اپنی نشست پر بیٹھ کر گفتگو میں فرمایا: اے بادشاہ اسلام! میں نے ایک خواب دیکھا ہے (جو خواب انہوں نے بیان کیا تو) بالکل وہی خواب تھا جو سلطان نے دیکھا تھا۔ بعد ازاں سلطان نے قاضی وحید الدین کا ہاتھ پکڑا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب قبول کر لیا جب سلطان مذہب اہل حدیث اختیار کر کے مسلک امام شافعی رحمہ اللہ سے وابستہ ہو گیا تو ان علماء کو یہ بات ناگوار گذری جو محمد بن کرام کے مذہب کے حامل تھے۔ (محمد بن کرام 255ھ میں فوت ہوا اس کا عقیدہ تھا کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے، اس کیلئے عمل بالجوارح کی ضرورت نہیں، اور یہ کہ اللہ انسانوں کی طرح جسم رکھتا ہے اور عرش کے اوپر اس کی ایک مخصوص جگہ ہے۔ کرامیہ کو بدعتی اور اسلام کا ملغوبہ قرار دیا جا سکتا ہے۔(طبقات ناصری:1/362)

یہ واقعہ ابن اثیر نے تاریخ الکامل کے 595ھ کے واقعات میں بیان کیا ہے اس کی عبارت کا ترجمہ یوں ہے:

اسی سال میں حاکم غزنہ غیاث الدین غوری اور بعض باشندگان خراسان نے مذہب کرامیہ ترک کر کے شافعی مذہب اختیار کیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سلطان غیاث الدین غوری کے مصاحبوں میں ایک شخص مبارک شاہ تھا، وہ شخص شیخ وحید الدین ابو الفتح محمد بن محمود مروزی کو، جو ایک شافعی فقیہ تھے، سلطان کے پاس لے گیا۔ انہوں نے سلطان کے سامنے مذہب شافعیہ کی خوبیاں بیان کیں اور کرامیہ مذہب کے نقائص کی نشان دہی کی۔ اس سے متاثر ہو کر سلطان نے شافعی مذہب قبول کیا اور پھر شوافع کی تعلیم وتربیت اور تبلیغ کے لئے کئی مدرسے قائم کئے۔

(برصغیر میں اہل حدیث کی آمد: ص269-272)

ہند کے مسلم حکمران

احناف مثلاً جناب اسعد مدنی کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں 1857ء تک صرف حنفی حکمران رہے ہیں۔ یہ بات درست نہیں ہے، ہندوستان میں صرف حنفی مسلمان ہی حکمران نہیں رہے بلکہ یہاں کے بادشاہوں میں شیعہ مسلک کے لوگ بھی ملتے ہیں۔ جیسا کہ

ہمایوں کے متعلق بتایا جاتا ہے جب وہ ایران میں تھا تو وہاں کے بادشاہ طہماسپ سے ۔ ایک دن خلوت میں (ہمایوں کے) امیروں نے امیر تیمور کے خاندان کی اہل بیت سے محبت کے تذکرے کئے اور ثبوت میں ہمایوں کی یہ طبع زاد رباعی بادشاہ کو سنائی:

مائیم زجان بندہ اولاد علی

ہستیم ہمیشہ شاد بایاد علی

چوں سرّ ولایت ز علی ظاہر شد

کردیم ہمیشہ ورد خود ناد علی

شاہ طہماسپ سے ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہمایوں سے بعض چغتائی امیروں خاص طور سے مرزا کامران کی مخالفت کا اصل سبب بھی یہی تھا کہ ہمایوں نے اپنی سلطنت کا نظم و نسق ایرانیوں کے ہاتھ میں دے دیا تھا، اور اہل بیت سے اپنی محبت کا اظہار کرتا رہتا تھا اور شیعہ مذہب کو تقویت دینے کی سعی کی تھی۔ (منتخب اللباب مترجم:1/150)

خافی خان بتاتے ہیں کہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے: یہ سب پر واضح ہے کہ ہمایوں، امام اعظم کے مذہب بر حق پر قائم تھے، لیکن اسے اپنے آباء واجداد خاص طور سے امیر تیمور کی نسبت اہل بیت سے زیادہ محبت تھی۔ ان کے ساتھ مرزا کامران کے ملکی تنازعات تو رہتے ہی تھے (عقیدہ میں بھی وہ مختلف تھے) چنانچہ وہ ہمایوں کے علی الرغم بعض متعصب متاخرین اور متکلمین کی طرف میلان رکھتا تھا اس کی باتیں عموماً ہمایوں کو ناپسند آتی تھیں۔ چنانچہ جب بیرم خان میں اور مرزا کامران میں مکالمہ ہوتا تھا تو ہمایوں بیرم خان کی رفاقت میں کامران کو پر لطف جواب دیتے رہتے تھے۔ جس وقت شیر شاہ کی شورش اٹھی اور ہمایوں پنجاب چلے آئے تھے ایک دن سواری میں مرزا کامران بھی ہمراہ تھا۔ ایک قبرستان پر سے سواری گذری۔ اتفاق سے اس وقت ایک کتا کسی قبر پر کھڑا پیشاب کر رہا تھا۔ مرزا کامران کی اس پر نظر پڑی تو اس نے ہمایوں کو مخاطب کر کے کہا۔ معلوم ہوتا ہے یہ کسی رافضی کی قبر ہے۔ ہمایوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ہاں وہ کتا سنی ہے۔

غالباً یہی میلان طبع تھا کہ ہمایوں نے اپنی سلطنت کے تمام اختیارات بیرم خان کو دے رکھے تھے اور نظم ونسق میں بیشتر ایرانی ہی تھے جو ایک عرصہ دراز سے ہندوستان اور دکن کی بادشاہتوں کا انتظام کرتے آئے

تھے۔ پھر ہمایوں کی خاندانی نسبت مشہد مقدس کے سادات سے تھی۔ یہ بات بھی اکثر چغتائی امیروں اور مرزا کامران کو ناراض رکھتی تھی اور وہ ہمایوں کو امامیہ فرقے سے منسوب کرتے تھے۔ (منتخب اللباب مترجم:1/158-159)

☆جناب محمد منظور نعمانی بتاتے ہیں:

عہد جہانگیری میں نور جہاں کے طفیل حکومت کی باگ ہی شیعوں کے ہاتھ میں چلی گئی بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ جہانگیر کے نام سے نور جہاں کا شیعی گھرانہ ہی اس وقت ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔ خود جہانگیر کو اعتراف ہے۔

لکھتا ہے:

در دو لت پادشا ہی من حا لا در دست ایں سلسلہ است، پدر دیوان کل، پسر وکیل مطلق، دختر ہمراز ومصا حب۔ (تزک جہانگیری)۔

اب میری بادشاہی اسی سلسلہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس (نور جہاں) کا باپ دیوان کل ہے اور بیٹا (نور جہان کا بھائی آصف خان) وکیل مطلق اور بیٹی (خود نور جہان) ہمراز و ہم صحبت۔ (تذکرہ مجدد الف ثانی: ص 175)

☆908ھ میں یوسف عادل شاہ (بیجاپوری جس نے بیس برس دوماہ حکومت کی 916ھ میں فوت ہوا) نے ایک مجلس جشن منعقد کی۔

اس مجلس میں سید احمد صدری اور دیگر شیعی علماء کو مدعو کیا گیا (اور بتایا کہ) میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ بادشاہت کے درجے پر پہنچ کر بارہ اماموں کے اسمائے گرامی خطبے میں داخل کر دوں گا اور شیعہ مذہب کو رواج دوں گا۔

مورخین نے تحریر کیا ہے کہ یوسف عادل شاہ پہلا بادشاہ ہے جس نے ہندوستان میں بارہ اماموں کے نام کا خطبہ پڑھوا کر ملک میں شیعہ مذہب کو رائج کیا۔ یوسف عادل شاہ نے جب خطبہ پڑھا اور شیعہ مذہب کو جاری کر دیا تو مثل مشہور الناس علی دین ملوکھم کے مصداق بہت سے امیروں نے یہ مذہب اختیار کر لیا۔

(تاریخ فرشتہ، مترجم اردو:2/104-105)

پھر سیاسی وجوہ سے شیعیت ترک کی، لیکن فتح عمادی سے رخصت ہو کر بیجاپور واپس آیا اور یہاں اس نے دوبارہ شیعہ مذہب کو رواج دیا اور بارہ اماموں کے نام کا خطبہ جاری کیا۔

(تاریخ فرشتہ، مترجم اردو:2/110)110)

☆ ابو المظفر علی عادل شاہ بن ابراہیم عادل شاہ کے متعلق فرشتہ بتاتا ہے کہ

باپ کی وفات پر علی عادل شاہ تخت نشین ہوا، مذہب کے معاملہ میں اپنے اجداد یوسف عادل شاہ اور اسماعیل عادل شاہ کی تقلید کی اور تخت نشینی کے روز 12 اماموں کے اسمائے گرامی کا خطبہ پڑھا مسجدوں میں جو اذانیں دی جاتی تھیں ان میں علی ولی اللہ کے الفاظ کا اضافہ کیا۔ اپنے کتبوں کے نیچے اپنا نام اس طرح لکھتا تھا کتبہ علی صوفی قلندر۔

(تاریخ فرشتہ مترجم:2/180-181)

☆علی عادل کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھتیجا دس سال کی عمر میں ابراہیم عادل شاہ ثانی تخت پر بیٹھا۔ فرشتہ کہتا ہے:

ابراہیم کا شیعہ ہونا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے لوگ تبدیلی مذہب کر کے شیعہ ہو گئے اور مسجدوں میں شیعوں کے دستور کے مطابق اذانیں ہونے لگیں۔ (تاریخ فرشتہ:2/241)

یہ اکبر بادشاہ کا ہم عصر ہے۔

☆احمد نگر کا فرمانروا احمد نظام شاہ 904ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا برہان نظام شاہ بن احمد نظام شاہ بحری سات سال کی عمر میں احمد نگر کے تخت پر بیٹھا۔ فرشتہ نے لکھا ہے:

اس نے شیعہ سنی علماء کا مناظرہ کرایا اس کے بعد شیعہ مذہب قبول کرنے کا اعلان کیا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تقریباً تین ہزار افراد نے (جن میں شاہی مصاحب، ہندی ترکی اور حبشی غلام، امراء، منصب دار، جاروب کش اور فراش، الغرض ہر طبقے کے لوگ شامل تھے) مذہب اثنا عشری قبول کر لیا، برہان نظام نے تینوں خلفاء کے نام خطبے سے نکال دیئے اور آئمہ اہل بیت کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ (تاریخ فرشتہ، مترجم:2/312-313)

برہان نظام شاہ نے:

شیعہ مذہب کی ترویج واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ تمام وظائف جو اہل سنت کے نام جاری کر دیئے تھے شیعوں کیلئے وقف کر دیئے گئے۔۔۔

اس مذہبی ماحول کا یہ نتیجہ ہوا کہ احمد نگر کے جہلاء بھی خلفائے راشدین کی شان میں بے ادبی کرنے لگے۔ برہان نظام شاہ 961ھ میں فوت ہوا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا تابوت کربلا لے جایا گیا اور مزار امام حسین کے باہر سپرد خاک کیا گیا۔

(تاریخ فرشتہ مترجم:2/315،316،325)

☆مرتضی نظام شاہ بن حسین نظام شاہ کی وفات پر تخت نشین ہوا۔

اس حکمران نے مذہب شیعہ کی ترویج واشاعت میں اپنے باپ دادا سے زیادہ حصہ لیا سیدوں شیعہ عالموں اور دیگر مستحقوں کے وظیفوں میں بڑا اضافہ کیا گیا۔ یہ بادشاہ دیوانہ مشہور ہے۔۔۔ اکبر کا ہم عصر ہے۔

رجب 996ھ میں فوت ہوا۔ 24 سال 5 ماہ حکمران ہوا۔ اس کی لاش بھی کربلا روانہ کی گئی۔ (تاریخ فرشتہ مترجم:2/4004-402)

☆برہان نظام شاہ بن حسین نظام شاہ اپنے بھائی مرتضی نظام شاہ کے عہد حکومت میں قید رہا پھر قلعہ دار سے ساز باز کر کے نکل آیا۔ جب بادشاہ بنا تو فرشتہ (ج2ص417) نے لکھا ہے:

برہان شاہ نے حسب سابق شیعہ مذہب کو رواج دیا اور اماموں کے اسمائے گرامی خطبے میں داخل کئے گئے۔

☆تلنگانہ کے بادشاہ ابراہیم قطب شاہ نے شیعہ مذہب کی اشاعت وترویج میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 32 سال حکومت کر کے 989ھ میں فوت ہوا۔ (فرشتہ:2/454،469)

☆جناب سید ابوالاعلی مودودی نے لکھا ہے:

شاہ عالم بہادر شاہ اپنے علم وفضل کے لحاظ سے تمام سلاطین تیموریہ میں ممتاز تھا۔ علم حدیث میں اسے قدوۃ المحدثین تسلیم کیا جاتا تھا۔ تفسیر اور فقہ پر اس کو

پورا عبور تھا۔ اس کی پرہیز گاری اور مذہبیت خود اپنے باپ سے کم نہ تھی۔۔(اور) بہادر شاہ کی اہم سیاسی غلطیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے اپنی حکومت کی ابتداء ہی میں احکام جاری کر دیئے کہ خطبہ میں سیدنا علی ﷜ کے نام کے ساتھ لفظ وصی استعمال کیا جائے۔ یہ دوسرے الفاظ میں اس امر کا اعلان تھا کہ سلطنت کا مذہب طریق اہل سنت کے بجائے شیعیت ہو گیا ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں جس کی بیشتر آبادی سنی تھی جس کی حکومت ابتدائے سلطنت اسلام سے سنی مذہب کی پیروی کر رہی تھی اور جس کے تخت پر اس سے پہلے پچاس سال تک عالمگیر جیسا کٹا سنی بادشاہ متمکن رہ چکا تھا، بہادر شاہ کا اپنی حکومت کی ابتداء ہی میں علی الاعلان شیعیت اختیار کر لینا اور خطبہ جمعہ کو بدل دینا سیاسی اعتبار سے ایک نہایت غیر دانشمندانہ فعل تھا اس نے تمام مسلمانان ہند کے دلوں میں بادشاہ کے خلاف شدید ناراضی کے جذبات پیدا کر دیئے۔(دکن کی سیاسی تاریخ:42،50-51)

جناب علی میاں نے لکھا ہے:

شاہ عالم بہادر شاہ اول (118-1124ھ) عالمگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔۔ اس نے شیعی مسلک اختیار کیا۔ جو اس سلطنت کے مصالح کے خلاف تھا جس کی مسلمان آبادی کا 90، 95 فی صدی حصہ ہندوستان کے مشرقی حدود بنگالہ سے لے کر سلطنت کے مغربی حدود کابل و قندھار تک سنی فرقہ اور حنفی مذہب کا پیروکار تھا۔

بہادر شاہ کے شیعہ مذہب اختیار کرنے، اس مسئلہ پر علماء اہل سنت سے مباحثہ و مناظرہ کرنے، خطبہ میں کلمہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ ﷺ کے داخل کرنے کا حکم دینے پر لاہور میں جہاں بادشاہ کا قیام تھا، شورش برپا ہوئی، بلوا ہوا۔(تاریخ دعوت وعزیمت:5/47-48)

جناب محمد اسحاق بھٹی نے لکھا ہے:

بہادر شاہ والہ واقعہ منشی غلام حسین طباطبائی نے بھی سیر المتاخرین۔(ج 2 ص 381) میں بیان کیا ہے چونکہ یہ مؤرخ خود شیعہ ہے، اس لئے اس کے اسلوب میں بادشاہ کی تائید اور علماء کی مخالفت صاف نظر آتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ علماء نے نہائت عصبیت سے کام لیا، بلوائے عام پر اتر آئے اور وہ ناصبی تھے۔ ناصبی شعار ند۔(فقہائے ہند:5/17)

فقہی جمود و تقلیدی غلوّ

عنوان ہذا سے متعلق جناب وحید الدین خان کی چند تحریریں یہاں نقل کی جاتی ہیں:

☆یونانی معقولات جس کو اب خود یونان بھی چھوڑ چکا ہے، دین کے ساتھ جوڑنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ دین میں تدبر اور دینی مسائل کو بیان کرنے کا ایک ایسا نہج بن گیا جو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام ﷢ کے انداز سے بالکل مختلف تھا۔ حنفیہ نے امام کے پیچھے فاتحہ کی قرأت کے ترک کا فتوی دیا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے سامنے اس مسلک کے خلاف یہ حدیث پیش کی گئی کہ نبی ﷺ نے کچھ اصحاب سے کہا شائد تم لوگ امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے قرأت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا تفعلوا إلا بامّ القرآن» ”نہ کرو ایسا سوائے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے۔“

مولانا رشید احمد گنگوہی نے حنفی مسلک پر اس اعتراض کو رد کرتے ہوئے جواب دیا:

هذا دليل الاباحة لا دليل الوجوب(نفحۃ العنبر) (یہ اباحت کی دلیل ہے نہ کہ وجوب کی دلیل)۔ یہ ایک سادہ سی مثال ہے اس بات کی کہ بعد کے زمانے میں ہمارے یہاں مذہبی بحث و گفتگو کا جو انداز پیدا ہوا وہ کس طرح اسلام کے ابتدائی سادہ اسلوب سے ہٹا ہوا تھا۔ چنانچہ وہی شخص آج عالم سمجھا جاتا ہے جو اس قسم کی فنی زبان اور منطقی اسلوب میں دینی مسائل کو بیان کر سکتا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی مباحث کا یہ انداز فنی حیثیت سے بظاہر بڑا وقیع معلوم ہوتا ہے مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ دین وہ نہیں جس کو عرب کے پیغمبر ہمارے لئے چھوڑ کر گئے تھے۔ آپ نے فخر کے ساتھ فرمایا تھا نحن امۃ امی، ہم تو سیدھی سادی امت ہیں بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ میں سہل دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ مگر یہودیوں اور عیسائیوں کے اتباع میں ہم نے دین کو ایک پیچیدہ فن بنا ڈالا، جس طرح انہوں نے موسیٰ اور عیسیٰ کے دین کو فن بنا دیا تھا۔ اس فنی دین کا غیر دینی ہونا اسی سے واضح ہے کہ صحابہ سے کوئی بزرگ اگر آج زندہ ہوں تو وہ ہمارے مدارس عربیہ میں سے کسی مدرسہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز نہیں کئے جا سکتے کیونکہ آج ان مدارس میں علم حدیث جس طرح پڑھایا جاتا ہے وہ اس کے لئے بالکل ناموزوں ثابت ہوں گے۔ حتی کہ نعوذ باللہ شائد خود اللہ کے رسول بھی۔(تجدید دین: ص56-57)

☆ہمارے عربی مدارس خواہ وہ بھی کسی بھی مسلک کے تحت قائم ہوئے ہوں، ان میں شیخ الحدیث کا منصب اسی قسم کی فقہی پہلوانی کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ یہاں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو بظاہر عالم دین کی سند لے کر نکلتے ہیں مگر حقیقۃً وہ عالم اختلاف ہوتے ہیں، وہ علم دین کا کمال یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے فقہی مذاہب کے مقابلہ میں اپنی فقہ کو صحیح ثابت کر دکھائیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے دینی فروق کو لے کر ان کی بنیاد پر اکھاڑے قائم کرتے ہیں اور ساری امت کو ایسے جدال و نزاع میں الجھا دیتے ہیں جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

ان مدارس کے سلسلے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ امت واحدہ کو انہوں نے امت متفرقہ میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔(تجدید دین: ص36-38)

☆☆☆

